بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللہ نزل احسن الحدیث
نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثًا فحفظه حتی یبلغه
ماھنامہ
الحدیث
حضرو
شمارہ نمبر
99
مدیر: حافظ زبیر علی زئی
ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ اکتوبر ۲۰۱۲ء
بسم اللہ جہراً و سراً پڑھنا اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع
سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع
جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر ظہور احمد کی جرح
سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور مسئلہ فاتحہ خلف الامام
سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا
مکتبۃ الحدیث
حضرو اٹک : پاکستان

تخلیق کا شاہکار

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ط﴾

پھر ہم نے نطفے کو علقہ (خون کا لوتھڑا) بنایا، پھر لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنا دیا، پھر اس گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں پیدا کر دیں، پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا، پھر ہم نے اسے نئی مخلوق بنا کر کھڑا کر دیا۔

پس بہت ہی بابرکت ہے اللہ جو سب کاریگروں سے اچھا کاریگر ہے۔ (المؤمنون:۱۴)

فقہ القرآن:

۱: آیت مذکورہ میں انسان کے ان مراحل کا ذکر ہے جو اس پر رحمِ مادر میں گزرتے ہیں۔

۲: ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ کی تشریح میں امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا: ''نفخ فیه الروح'' اسی (انسان) میں روح پھونک دی۔

(تفسیر ابن جریر ۸/ ۲۶۸ ح ۲۵۴۹۳ وسندہ صحیح)

۳: بعض علماء نے ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ﴾ کی تفسیر میں بتایا ہے کہ اس سے مراد انسان کی پیدائش، بچپن، جوانی، بڑھاپا، کھانا پینا اور بال، دانت نکلنا وغیرہ ہیں۔

قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ بالوں کا نکلنا ہے۔ (ابن جریر ۸/ ۲۶۹ ح ۲۵۴۹۹ وسندہ صحیح)

یہ سب چیزیں یہاں مراد ہیں۔ واللہ اعلم

۴: زمخشری معتزلی (ایک گمراہ) نے اپنی خطرناک تفسیر الکشاف میں بغیر کسی سند کے امام ابوحنیفہ کی طرف مرغی کے ایک انڈے کا قصہ منسوب کیا ہے جو کہ بے سند ہونے کی وجہ سے جھوٹا اور مردود ہے۔

(۹/ شوال ۱۴۳۳ھ بمطابق ۲۸/ اگست ۲۰۱۲ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ نزل احسن الحدیث

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر اللہ امرءً اسمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 9 | ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ اکتوبر ۲۰۱۲ء | شمارہ: 10

مدیر
حافظ زبیر علی زئی

معاونین
حافظ ندیم ظہیر
ابو خالد شاکر
ابو جابر عبداللہ دامانوی

قیمت
فی شمارہ : 25 روپے
سالانہ : 300 روپے
علاوہ محصول ڈاک
پاکستان: مع محصول ڈاک
400 روپے

خط و کتابت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد
0300-5288783

مقام اشاعت
مکتبۃ الحدیث
حضرو ضلع اٹک

0302-5756937

اس شمارے میں

اضواء المصابیح

أضواء المصابيح في تحقيق مشكوة المصابيح

الفصل الثالث

٣٢٦) عن أبي رافع قال : أشهد لقد كنت أشوي لرسول الله ﷺ بطن الشاة، ثم صلّى ولم يتوضأ . رواه مسلم . ابورافع (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے بکری کے پیٹ کا گوشت بھونتا تھا پھر آپ نے (یہ گوشت کھانے کے بعد) نماز پڑھی اور دوبارہ وضو نہیں کیا۔ اسے مسلم (۹۴/ ۳۵۷) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: بھنا ہوا گوشت کھانا جائز ہے۔

۲: اونٹ کے علاوہ دوسرے حلال گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۳: بعض اوقات ضرورت کے لئے اپنی گواہی کو پکا کرنے کے لئے قسم کھانا جائز ہے۔

٣٢٧) وعنه قال : أهديت له شاة ، فجعلها في القدر، فدخل رسول الله ﷺ فقال : ((**ما هذا يا أبا رافع ؟**)) فقال : شاة أهديت لنا يا رسول الله ! فطبختها في القدر . قال : ((**ناولني الذراع يا أبا رافع !**)) ، فناولته الذراع . ثم قال : ((**ناولني الذراع الآخر .**)) ، فناولته الذراع الآخر . ثم قال : ((**ناولني الآخر .**)) فقال : يا رسول الله ! إنما للشاة ذراعان . فقال له رسول الله ﷺ : ((**أما إنك لو سكت لناولتني ذراعًا فذراعًا ما سكت .**)) ثم دعا بماء فتمضمض فاه ، و غسل أطراف أصابعه ، ثم قام فصلّى ، ثم عاد إليهم ، فوجد عندهم لحمًا باردًا ، فأكل ، ثم دخل المسجد فصلّى ولم يمس ماء . رواه أحمد .
اور انھی (ابورافع رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انھیں تحفے میں ایک بکری ملی پھر انھوں نے (ذبح کے بعد) اس کا گوشت ہانڈی میں ڈال دیا، رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا:

اے ابورافع! یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: یارسول اللہ! ہمیں ایک بکری تحفے میں ملی ہے لہٰذا میں نے اسے ہانڈی میں پکایا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے ابورافع! مجھے ایک بازو دے دو۔ میں نے آپ کو (بکری کا) بازو دے دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: مجھے دوسرا بازو دے دو، تو میں نے دوسرا بازو بھی آپ کو دے دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ایک اور (بازو) مجھے دے دو، تو میں نے کہا: یارسول اللہ! بکری کے تو صرف دو بازو ہی ہوتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے تو مجھے ایک ایک کر کے بازو دیتے جاتے۔

پھر آپ نے پانی منگوایا پھر منہ کی کلی کی اور انگلیوں کے کنارے دھوئے، پھر آپ اٹھے تو نماز پڑھی پھر واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ ان کے پاس ٹھنڈا گوشت موجود ہے۔ آپ نے اس میں سے کھایا پھر مسجد میں داخل ہوئے اور نماز پڑھی یا پڑھائی اور پانی کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اسے احمد (۶/۳۹۲ ح ۲۷۷۳۷) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس کا راوی شرحبیل بن سعد جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔

حافظ ہیثمی نے فرمایا: "**وهو ضعيف عند الجمهور**" اور وہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۲/۱۵۹)

اور فرمایا: "**وضعفه جمهور الأئمة**" اور جمہور اماموں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ۴/۱۱۵)

اس روایت کے بعض شواہد کے لئے دیکھئے حدیث نمبر ۳۲۸

۳۲۸) و رواه الدارمي عن أبي عبيد إلا أنه لم يذكر ثم دعا بماءٍ إلى آخره .

اور دارمی (۱/۲۲ ح ۴۵) نے ابوعبید (رضی اللہ عنہ) سے اسی طرح کی روایت بیان کی، لیکن اس کے آخر میں "پھر آپ نے پانی منگوایا" سے لے کر آخر تک کے الفاظ نہیں ہیں۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اسے احمد بن حنبل (۳/۴۸۴۔۴۸۵ ح ۱۶۰۶۳) اور ترمذی (کتاب الشمائل:

۱۶۸، تحقیقی) نے بھی روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں قتادہ مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، لہٰذا ضعیف ہے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "صنع لرسول الله ﷺ شاة مصلية فأتي بها فقال لي: ((يا أبا رافع! ناولني الذراع.)) فناولته فقال: ((يا أبا رافع! ناولني الذراع.)) فناولته ثم قال: ((يا أبا رافع! ناولني الذراع.)) فقلت: يا رسول الله! وهل للشاة إلا ذراعان؟ فقال: ((لو سكت لناولتني منها ما دعوت به.)) قال: وكان رسول الله ﷺ يعجبه الذراع."

رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک بکری (ذبح کر کے) آگ پر بھونی گئی پھر آپ کے پاس لائی گئی تو آپ نے مجھے فرمایا: اے ابو رافع! مجھے (بکری کا) ایک بازو دے دو۔ پس میں نے آپ کو یہ (بازو) دے دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ابو رافع! مجھے (بکری کا) ایک بازو دے دو۔ تو میں نے آپ کو دوسرا (بازو) دے دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ابو رافع! مجھے (بکری کا) ایک بازو دے دو۔ تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! بکری کے تو صرف دو ہی بازو ہوتے ہیں؟! آپ نے فرمایا: اگر تم چپ رہتے تو میں جب تک مانگتا، مجھے (بکری کے) بازو دیتے رہتے۔ ابو رافع نے فرمایا: اور رسول اللہ ﷺ کو بازو (کا گوشت) پسند تھا۔

(۶/۸ ح ۲۳۹۱۰، موسوعہ حدیثیہ ۵۲/۱۸۸، وسندہ حسن)

یہ حسن لذاتہ حدیث سابقہ ضعیف روایتوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ والحمد للہ

۳۲۹) وعن أنس بن مالكٍ، قال: كنت أنا و أبي و أبو طلحة جلوسًا، فأكلنا لحمًا و خبزًا، ثم دعوت بوضوء، فقالا: لم تتوضأ؟ فقلت: لهذا الطعام الذي أكلنا. فقالا: أتتوضأ من الطيبات؟! لم يتوضأ منه من هو خير منك. رواه أحمد.

اور انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں، اُبی (بن کعب) اور ابو طلحہ بیٹھے ہوئے تھے، پھر ہم نے گوشت اور روٹی کھائی پھر میں نے وضو کا پانی منگوایا تو دونوں (ابی بن کعب اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہما) نے پوچھا: تم کیوں وضو کرتے ہو؟ میں نے جواب دیا: اس کھانے کی وجہ

سے جو ہم نے کھایا ہے۔ تو ان دونوں نے کہا: کیا تم پاک چیزوں سے وضو کرتے ہو؟ تم سے جو بہتر تھے (یعنی رسول اللہ ﷺ) انھوں نے تو اس سے وضو نہیں کیا تھا۔

اسے احمد (۴/۳۰ ح ۱۶۴۷۹) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند حسن ہے۔

فقہ الحدیث:

۱: اونٹ کے علاوہ دیگر حلال گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۲: جب کسی مسئلے میں اختلاف ہو جائے تو قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرنی چاہئے۔

۳: اگر کتاب وسنت کے خلاف کوئی کام دیکھا جائے تو اسے دلیل سے منع کر دینا چاہئے۔

۴: اگر کوئی شخص ناپاک یا مضر چیز کھالے مثلاً نسوار، تمباکو وغیرہ یا سگرٹ پی لے تو اسے دوبارہ وضو کرانا چاہئے۔

۵: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کو غالباً آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو نہ ٹوٹنے کا مسئلہ معلوم نہیں تھا، لہٰذا ثابت ہوا کہ بڑے سے بڑے عالم سے بعض دلائل مخفی رہ سکتے ہیں۔

۳۳۰) و عن ابن عمر، كان يقول: قبلة الرجل امرأته و جسها بيده من الملامسة. و من قبل امرأته أو جسها بيده، فعليه الوضوء. رواه مالك، والشافعي.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: آدمی کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور (شہوت سے) اسے ہاتھ لگانا ملامسہ میں سے ہے اور جو شخص اپنی بیوی کا بوسہ لے یا (شہوت سے) اسے ہاتھ لگائے تو چاہئے کہ (وہ دوبارہ) وضو کرے۔

اسے مالک (الموطأ ۱/۴۳ ح ۹۳) اور شافعی (کتاب الام ۱/۱۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ روایت موقوف صحیح ہے۔

ملامسہ کا مطلب ہے چھونا، ہاتھ لگانا، اپنی بیوی سے صحبت کرنا۔

نیز دیکھئے سورۃ النساء آیت نمبر ۴۳، اور سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶

۳۳۱) و عن ابن مسعود ، كان يقول : من قبلة الرجل امرأته الوضوء .
رواه مالك . اورابن مسعود (رضی اللہ عنہ) فرماتے تھے کہ آدمی کا اپنی بیوی کا بوسہ لینے پر (دوبارہ) وضو ہے۔ اسے مالک (الموطأ ۱/۴۴ ح ۹۴) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ روایت موقوف صحیح ہے۔

اسے بیہقی (۱/۱۲۴) نے حسن سند کے ساتھ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور اس اثر کی کئی سندیں ہیں۔

۳۳۲) و عن ابن عمر، أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال : إن القبلة من اللمس ، فتوضؤوا منها . اورابن عمر (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بوسہ لینا لمس (ملامسہ) میں سے ہے، لہٰذا اس سے وضو کرو۔
[اسے دارقطنی (۱/۱۴۴ ح ۵۱۰ وقال: "صحیح"!) نے روایت کیا ہے۔]

تحقیق الحدیث: ضعیف

اس روایت کی سند میں امام زہری مدلس ہیں اور یہ سند عن سے ہے، نیز اس کی سند میں دوسری علت (وجۂ ضعف) بھی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، جسے امام مالک نے نافع سے، انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۳۳۰، اور سنن دارقطنی (۱/۱۴۴ ح ۵۱۳ وقال: "صحیح" وسندہ صحیح، ۵۱۴ وسندہ حسن)

۳۳۳) و عن عمر بن عبد العزيز عن تميم الداري قال قال رسول الله ﷺ : ((**الوضوء من كل دم سائل .**)) رواهما الدارقطني ، وقال : عمر بن عبد العزيز لم يسمع من تميم الداري ولا رآه ، و يزيد بن خالد ، و يزيد بن محمد مجهولان . تمیم داری (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر بہنے والے خون سے وضو (ضروری) ہے۔
اسے دارقطنی (۱/۱۵۷ ح ۵۷۱) نے روایت کیا ہے اور فرمایا: عمر بن عبدالعزیز نے تمیم داری سے نہ سنا ہے اور نہ انھیں دیکھا ہے، یزید بن خالد اور یزید بن محمد دونوں مجہول ہیں۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند سخت ضعیف ہے۔

یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف ہے:

۱: یزید بن خالد مجہول ہے۔

۲: یزید بن محمد مجہول ہے۔

۳: سند منقطع ہے۔

یہ تینوں علتیں خود امام دارقطنی نے بیان فرمادی ہیں۔

۴: بقیہ بن الولید مدلس تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

۵: نیز اس کی سند میں اور بھی وجۂ ضعف ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف، باطل اور مردود ہے۔ اس روایت کے موضوع، مردود اور باطل شواہد بھی ہیں جن کی اُصولِ حدیث کی رو سے کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ❀

اس ضعیف و مردود روایت کے مقابلے میں کئی دلائل ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خون نکلنے یا خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹتا:

۱: ایک دفعہ پہریداری کے دوران میں ایک صحابی زخمی ہو گئے تھے اور اس حالت میں نماز پڑھتے رہے تھے۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۱۹۸، وسندہ حسن، وصححہ ابن خزیمہ: ۳۶ وابن حبان، الموارد: ۱۰۹۳، والحاکم ۱/۱۵۶ ح ۵۵۷۔ ۵۵۸ ووافقہ الذہبی وعلقہ البخاری فی صحیحہ، فتح الباری ۱/۲۸۰)

۲: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سینگی لگوائی اور (صرف) وہ جگہ دھولی جہاں سینگی لگوائی تھی۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۱۴۰، وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۱۷۶)

۳: بہت سے تابعین مثلاً امام ابو قلابہ، امام مکحول اور امام طاؤس وغیرہم خون نکلنے سے وضو کے قائل نہیں تھے۔ (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۳۸ ح ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۹، شاملہ)

۴: خون سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث یا صحابی کا اثر موجود نہیں ہے۔

تنبیہ: حیض کے خون سے وضو، نماز اور روزہ تینوں ٹوٹ جاتے ہیں۔

بسم اللہ جہراً وسراً پڑھنا اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع

سوال محترم شیخ صاحب! صحیح مسلم کی ایک روایت کی صحت کے بارے میں بعض لوگوں کو کچھ اشکالات ہیں، جو میں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں:

محدث دیار سندھ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر ''بدیع التفاسیر جلد اوّل صفحہ ۱۳۴'' (جسکی فوٹو کاپی بھی ساتھ منسلک ہے) میں لکھا ہے کہ ''صحیح مسلم کی حدیث انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے پیچھے نماز پڑھی ہے وہ سب (نماز کو) الحمد للہ رب العالمین سے شروع کرتے تھے۔

(صحیح مُسلم مع النووی ج ۱ص ۱۷۲)

اس کی سند اوزاعی عن قتادہ انہ کتب الیہ یخبرہ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہے یعنی اوزاعی کہتے ہیں کہ یہ روایت قتادہ نے مجھے انس رضی اللہ عنہ سے لکھ کر بھیجی ہے/ اور قتادہ مادرزاد اندھے ہیں۔ (تہذیب ۸/ ۳۵۱) یعنی یہ روایت انھوں نے خود نہیں لکھی بلکہ کسی کاتب سے لکھوائی ہو گی، وہ کاتب مجہول ہے اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''النکت ص ۲۹۴'' قلمی (مطبوع ۲/ ۷۵۵۔ ۷۵۶) میں بھی لکھا ہے۔ لہٰذا اس روایت میں ملاوٹ کا بڑا اندیشہ ہے۔ جس نے یہ روایت لکھ کر اوزاعی تک پہنچائی ہے وہ نا معلوم شخص ہے گویا قتادہ اور اوزاعی کے درمیان واسطہ مجہول ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح قتادہ مُدلس تھے اور یہاں سماع کی تصریح بھی نہیں ہے جو اس روایت کے ضعیف ہونے کا دوسرا سبب ہے۔ (بدیع التفاسیر جلد اول صفحہ ۱۳۴)

شیخ صاحب! یہاں یہ بات یاد رہے کہ محترم ومکرم بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ

بسم اللہ بالجہر کے قائل وفاعل تھے اور مذکورہ روایت میں چونکہ بسم اللہ کو سراً پڑھنے کی طرف اشارہ ہے، غالباً اسی بحث میں شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس پر کلام کیا ہے۔

اسی صفحہ ۱۴۴ پر مزید بحث کرتے ہوئے محترم شاہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر اس روایت کو تسلیم کرلیا جائے تو اسکا معنی یہ ہوگا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بالکل نہیں پڑھی نہ آہستہ سے نہ بلند آواز سے اور آہستہ پڑھنے والوں کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

(اور پھر مذکورہ روایت سے آگے صحیح مسلم کی دوسری روایت نقل کی ہے جس میں وضاحت ہے کہ "اور کسی کو بھی میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سُنا)

محترم ومحبوب شیخ صاحب! اس بحث کو لے کر ہمارے سندھ کے کچھ علماء نے صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث کو ضعیف تسلیم کرلیا ہے اور موبائل پر میسجز (messages) کے ذریعے سے اس کی تشہیر بھی کی جارہی ہے۔

پھر جب ہم نے اپنے دوستوں کے ذریعے سے ان علماء کی توجہ صحیح بخاری ومسلم کی صحت پر ہونے والے اجماع کی طرف دلوائی تو انھوں نے اس کا بھی انکار کردیا کہ دونوں کتابوں پر اجماع ہوا ہے یعنی ان کے بقول اجماع نہیں ہے۔ (وکیل ولی قاضی، حیدرآباد سندھ)

الجواب صحیح مسلم کی اس حدیث کی تخریج وتحقیق درج ذیل ہے:

امام عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

(امام) قتادہ نے حدیث لکھوا کر مجھے بھیجی: انھیں (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) نے حدیث بیان کی کہ میں نے نبی ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے پیچھے نماز پڑھی۔ وہ الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے، نہ قراءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے اور نہ آخر میں پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۵۲/۳۹۹ ترقیم دارالسلام: ۸۹۲، مسند احمد ۳/۲۲۳ ح ۱۳۳۲۷)

اس حدیث کی سند پر استاذ محترم رحمہ اللہ نے دو اعتراض کئے ہیں:

اول: اس روایت کا کاتب نامعلوم ہے۔

دوم: قتادہ مدلس ہیں اور یہاں سماع کی تصریح نہیں۔

پہلے اعتراض کے دو جواب ہیں:

اول: اس روایت کے صحیح لذاتہ شواہد و متابعات موجود ہیں، جیسا کہ ان شاء اللہ آگے آرہا ہے، لہٰذا کاتب کا نامعلوم ہونا یہاں بالکل مضر نہیں۔

دوم: دنیا کا عام دستور ہے کہ نابینا اشخاص اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو خطوط و تحریرات بھیجتے رہتے ہیں اور عام طور پر، نیز صریح دلیل کی تخصیص نہ ہونے کی صورت میں (یعنی کاتب کے مجروح ثابت ہونے کی صریح دلیل کے بغیر) اس خط کتابت پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

یہ مکاتبت کی قسم میں سے ہے اور اصولِ حدیث میں مقرر ہے کہ مکاتبت سے روایت جائز ہے۔

دوسرے اعتراض کا یہی جواب کافی ہے کہ مسند احمد میں اسی روایت کی اسی سند میں سماع کی تصریح موجود ہے۔ (ج ۳ ص ۲۲۳۔۲۲۴ كتب إلي قتادة: حدثني أنس بن مالك)

نیز صحیحین میں تمام مدلسین کی تمام معنعن روایات سماع اور متابعات معتبرہ و شواہد صحیحہ پر محمول ہیں۔ اب اس روایت کے بعض شواہد و متابعات پیشِ خدمت ہیں:

۱) صحیح مسلم اور بہت سی کتابوں میں یہ حدیث ہے کہ امام شعبہ نے قتادہ سے روایت کیا، انھوں نے انس (رضی اللہ عنہ) سے بیان کیا: "**صلّيت مع رسول الله ﷺ و أبي بكر و عمر و عثمان فلم أسمع أحدًا منهم يقرأ ببسم الله الرحمٰن الرحيم .**"

میں نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ (یعنی پیچھے) نماز پڑھی تو میں نے کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(صحیح مسلم: ۳۹۹، دارالسلام: ۸۹۰، مسند احمد ۳/ ۱۱۷ ح ۱۲۸۱۰، صحیح ابن خزیمہ: ۴۹۴، صحیح ابی عوانہ ۲/ ۱۳۲ ح ۱۳۱۱)

اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اور اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ قتادہ مدلس ہیں، تو اس کے تین جوابات ہیں:

اول: امام شعبہ کی قتادہ سے روایت اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ قتادہ نے یہ روایت اپنے استاد سے سُنی تھی، جیسا کہ امام شعبہ نے فرمایا: تین آدمیوں اعمش، ابواسحاق اور قتادہ کی تدلیس کے لئے میں تمھارے لئے کافی ہوں۔ (جزء مسألۃ التسمیہ لابن طاہر ص۴۷ وسندہ صحیح)

امام شعبہ نے فرمایا: میں قتادہ کے منہ کو دیکھتا رہتا تھا، جب آپ کہتے: میں نے سنا ہے یا فلاں نے ہمیں حدیث بیان کی، تو میں اسے یاد کر لیتا تھا اور جب کہتے: فلاں نے حدیث بیان کی، تو میں اسے چھوڑ دیتا تھا۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۶۹، وسندہ صحیح، تحقیقی مقالات ۱/۲۶۱)

یہ ایسا مسئلہ ہے کہ تدلیس اور مدلسین سے باخبر طلباء وعلماء تقریباً اکثر کو معلوم ہے۔

دوم: اسی روایت میں قتادہ کے سماع کی تصریح موجود ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر۲ کے تحت آرہا ہے۔

سوم: صحیحین میں مدلسین کی تمام معنعن روایات سماع، متابعات یا شواہد صحیحہ پر محمول ہیں، لہٰذا ان روایات پر تدلیس کا اعتراض غلط ہے۔

۲) ثقہ وصدوق راوی علی بن الجعد نے کہا: ”**أخبرنا شعبة و شيبان عن قتادة قال: سمعت أنس بن مالك قال: صلّيت خلف النبي ﷺ و أبي بكر و عمر و عثمان فلم أسمع أحدًا منهم يجهر ببسم الله الرحمٰن الرحيم .**“

میں نے نبی ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے پیچھے نماز پڑھی، میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(مسند علی بن الجعد: ۹۲۲ واللفظ لہ، دوسرا نسخہ: ۹۵۳، سنن الترمذی ۱/۳۱۴ ح ۱۱۸۶، وعندہ: شعبۃ وسفیان!)

اس روایت کی سند صحیح ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس روایت میں امام شعبہ کی متابعت کرنے والے شیبان بن عبدالرحمٰن التمیمی ثقہ ثبت صاحبِ کتاب ہیں۔

سنن دارقطنی کے مطبوعہ نسخے میں سفیان کا لفظ تصحیف ہے اور شیبان کی ترجیح کے لئے دیکھئے صحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۷۹۶، دوسرا نسخہ: ۱۷۹۹) المخلصیات (۲/۱۰۱ ح ۱۱۲۶) شرح معانی الآثار للطحاوی (۱/۲۰۲، باب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوٰۃ) مسألۃ

التسمیہ (ص ۲۴) اور معجم ابن عساکر (۱/ ۳۱ ح ۲۲) وغیرہ ۔

امام شعبہ سے اس حدیث کو راویوں کی ایک جماعت نے مختلف الفاظ کے ساتھ اس مفہوم میں بیان کیا ہے:

۱: محمد بن جعفر (صحیح مسلم)

۲: علی بن الجعد (حوالہ اس فقرے کے شروع میں گزر چکا ہے۔)

۳: وکیع بن الجراح (مسند احمد ۳/ ۱۷۹ ح ۱۲۸۴)

۴: حجاج بن محمد (مسند احمد ۳/ ۱۷۷)

۵: عبیداللہ بن موسیٰ (المنتقیٰ لابن الجارود: ۱۸۳، سنن الدارقطنی ۱/ ۳۱۵)

۶: بدل بن المحبر (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۵۱)

۷: ابوداود الطیالسی (صحیح مسلم، دارالسلام: ۸۹۱)

۸: عقبہ بن خالد (المجتبیٰ للنسائی: ۹۰۸)

۹: اسود بن عامر (سنن دارقطنی ۱/ ۳۱۵ ح ۱۱۸۹)

۱۰: زید بن الحباب (سنن دارقطنی ۱/ ۳۱۵ ح ۱۱۹۰) وغیرہم

اور شیبان بن عبدالرحمٰن (ثقہ صاحبِ کتاب) اُن کے متابع ہیں۔

اس صحیح حدیث سے صاف ثابت ہے کہ قتادہ نے یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے سنی تھی اور حافظ ابن حبان نے ایسے لوگوں کو زبردست پھکی دی ہے، جو کہتے تھے کہ قتادہ نے یہ حدیث سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے نہیں سنی تھی۔ (دیکھئے الاحسان قبل ح ۱۷۹۶، دوسرا نسخہ: ۱۷۹۹)

۳) قتادہ کے علاوہ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ نے بھی اسی حدیث کو سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم، دارالسلام: ۸۹۳، جزء القراءۃ للبخاری: ۱۲۰)

یعنی قتادہ بھی اس حدیث کے ساتھ منفرد نہیں، نیز اس حدیث کے کئی شواہد بھی موجود ہیں، مثلاً:

① عن ابی نعامہ الحنفی عن انس رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/ ۲۱۶ ح ۱۳۲۵۹، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۵۲)

اس سند میں سفیان ثوری (طبقۂ ثانیہ کے!!) مدلس ہیں، لہٰذا یہ سند صرف اس وجہ سے ضعیف ہے۔

② منصور بن زاذان عن انس رضی اللہ عنہ (المجتبیٰ للنسائی ۲/۱۳۴ ح ۹۰۷)

اس کی سند منقطع ہے، منصور نے انس رضی اللہ عنہ سے کچھ نہیں سنا۔

③ عن الحسن البصری عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۴۹۷)

اس کی سند میں سوید بن عبدالعزیز ضعیف اور حسن بصری مدلس ہیں، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

④ عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ (صحیح ابن خزیمہ: ۴۹۷)

اس روایت میں اعمش (طبقۂ ثانیہ کے!!) مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے، لہٰذا یہ سند بھی ضعیف ہے۔

خلاصۃ التحقیق: یہ حدیث امام شعبہ کی سند کے ساتھ بالکل صحیح ہے اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ کے شروع میں جہراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھنا بھی جائز ہے یعنی سراً پڑھنا بالکل صحیح ہے اور دوسرے دلائل کی رُو سے بعض اوقات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھنا بھی جائز ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین ص ۳۷۔۳۸ ح ۱۳)

متن پر ایک اعتراض: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بالکل نہیں پڑھی نہ آہستہ سے، نہ بلند آواز سے''

یہ اعتراض دو وجہ سے غلط ہے:

۱: حدیث میں صراحت ہے کہ " **صلّیت خلف النبي ﷺ و أبي بکر و عمر و عثمانؓ فلم أسمع أحدًا منهم یجهر ببسم اللّٰه الرحمٰن الرحیم .** "

میں نے نبی ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کے پیچھے نماز پڑھی، میں نے ان میں سے کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ (دیکھئے فقرہ نمبر ۲)

چونکہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ اس حدیث ''لا یذکرون

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم في أول القراءة ولا في آخرھا" سے مراد یہ ہے کہ وہ قراءت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (جہراً) ذکر نہیں کرتے تھے اور نہ آخر میں (جہراً) ذکر کرتے تھے۔

۲: محدثین کرام جو فہم حدیث کے سب سے زیادہ ماہر تھے، نے بھی اس حدیث سے عدمِ بسم اللہ کی بجائے عدمِ جہر مراد لیا ہے۔ مثلاً:

حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر درج ذیل باب باندھا ہے:

"باب من قال لا یجھر بھا" باب وہ جو کہتا ہے یہ جہراً نہیں پڑھنا چاہئے۔

(السنن الکبریٰ ۲/۵۰)

نیز ان سے پہلے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو صراحت سے بیان کیا ہے:

"باب ذکر الدلیل علٰی أن أنسًا إنما أراد بقوله: لم أسمع أحدًا منه یقرأ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم . أي لم أسمع أحدًا منھم یقرأ جھرًا بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم و أنھم کانوا یسرون بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم فی الصلاۃ، لا کما توھم من لم یشتغل بطلب العلم من مظانه، [و] طلب الرئاسة قبل تعلم العلم." باب اس بات کی دلیل کہ انس بن مالک کے ارشاد: میں نے کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا، سے مراد صرف یہ ہے کہ میں نے کسی ایک کو بھی جہراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔ اور بے شک وہ نماز میں سراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے، نہ کہ وہ بات جو ایسا شخص کہتا ہے جس نے صحیح مقامات سے علم حاصل نہیں کیا اور علم کے سیکھنے سے پہلے ہی بڑا بننے لگا۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۴۹ قبل ح ۴۹۵)

ہمارا یہ عقیدہ، ایمان، منہج اور نصب العین ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مرفوع مسند متصل احادیث بالکل صحیح ہیں اور اُن میں سے ایک بھی ضعیف نہیں۔ ہمارے علم میں ہے کہ بعض علماء نے اس بات سے اختلاف کیا ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کا قول مرجوح اور غیر صحیح ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۷/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۸/ جولائی ۲۰۱۲ء)

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اور صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع

سوال حافظ ابن القیم رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب ''الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ'' صفحہ ۱۶۶ (اردو مترجم) میں لکھتے ہیں کہ ''صحیح مسلم میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ مسلمان نہ ابوسفیان کی جانب دیکھا کرتے تھے اور نہ اُسے اپنے پاس بٹھایا کرتے تھے۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تین باتیں ہیں وہ مجھے عطا فرمائیے۔ فرمایا: اچھا! کہا: میرے پاس عرب بھر میں سب سے زیادہ حسین وجمیل لڑکی اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ہے میں اُس کو آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں...... واضح ہو کہ اس حدیث کے معنی میں لوگوں کو بہت ہی مشکل پڑی ہے کیونکہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پیشتر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا تھا اور نجاشی نے پڑھایا تھا اور اپنے باپ کے اسلام لانے سے پیشتر نبی کی خدمت میں مدینہ پہنچ گئی تھیں اور پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد ابوسفیان کہے کہ ''میں اُم حبیبہ کا نکاح آپ سے کرتا ہوں'' ایک گروہ علماء کا قول ہے کہ یہ حدیث کذب ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابن حزم کا قول ہے ''عکرمہ بن عمار نے یہ جھوٹ بنایا ہے۔'' (ص ۱۶۶۔۱۶۷)

اسی طرح حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے مذکورہ کتاب میں صفحہ ۱۶۷ سے ۱۷۵ تک میں اس روایت کا دفاع کرنے والوں پر ردّ کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے:

''ٹھیک تو یہی ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے اور اس میں کچھ خلط ملط ضرور ہوا ہے۔''

(صفحہ نمبر ۱۷۵)

محترم شیخ صاحب! اس روایت کے بارے میں مکمل تحقیق درکار ہے اور تفصیل کے ساتھ صحیحین پر اجماع کے بارے میں بھی وضاحت درکار ہے تاکہ اس حوالے سے مزید اعتراضات کو ختم کیا جا سکے کیونکہ محترم بدیع الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تفسیر کا اردو ترجمہ ہو رہا ہے اور اس کی اشاعت سے قبل ہی اس معاملے پر اگر تفصیلی مضمون آجائے تو یہ اہل

حدیث علماء وعوام پر احسان ہوگا۔(ان شاءاللہ) **جزاکم اللّٰہ خیراً فی الدارین.**

(وکیل ولی قاضی، حیدرآباد سندھ)

الجواب سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند درج ذیل ہے:

" النضر وھو ابن محمد الیمامي: ثنا عکرمة (بن عمار): حدثنا أبو زمیل: حدثني ابن عباس ..... " (صحیح مسلم:۲۵۰۱، دارالسلام:۶۴۰۹)

اور نضر بن محمد بن موسیٰ الجرشی الیمامی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے راوی ہیں اور ثقہ ہیں۔

انھیں امام عجلی، امام مسلم اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا۔ ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کر کے فرمایا: " **ربما تفرد** " بعض اوقات وہ تفرد کرتے تھے۔

حافظ ذہبی نے کہا: "**ثقة**" (الکاشف ۳/۲۱۹)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: " **ثقة له أفراد** " (تقریب التہذیب:۷۱۴۸)

یاد رہے کہ ثقہ وصدوق راوی کا تفرد ذرا برابر بھی مضر نہیں ہوتا اور شذوذ کا مسئلہ اس سے علیحدہ ہے۔

اس سند کے دوسرے راوی عکرمہ بن عمار جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں، بشرطیکہ سماع کی تصریح کریں اور اس سند میں سماع کی تصریح موجود ہے۔

انھیں یحییٰ بن معین، علی بن المدینی اور عجلی وغیرہم جمہور نے ثقہ قرار دیا۔

ان کی یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت میں کلام ہے، لیکن یہ روایت یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں لہٰذا اس جرح کا ہماری روایت سے کوئی تعلق نہیں۔

امام مسلم نے یہ وضاحت فرمائی ہے: "**فأما ما کان منها عن قوم هم عند أهل الحدیث متهمون أو عند الأکثر منهم فلسنا نتشاغل بتخریج حدیثهم...**"

میں نے ایسے راویوں کی روایت نہیں لی جنھیں اہل حدیث نے (بالاجماع) متہم (مجروح)

قرار دیا ہے یا اکثریت کے نزدیک وہ مجروح ہیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم ص ٦)

اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اسماء الرجال میں راویوں پر محدثین کے اختلاف اور عدمِ تطبیق کی صورت میں ہمیشہ جمہور محدثین کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔

عکرمہ بن عمار پر ابن القیم اور ابن حزم کی جرح جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے غلط ہے اور اس حسن لذاتہ حدیث کو کذب (جھوٹ) کہنا سرے سے مردود اور باطل ہے۔

تیسرے راوی ابوزمیل سماک بن الولید الیمامی الکوفی کو امام احمد بن حنبل، ابن معین، عجلی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ کہا اور ابو حاتم الرازی نے فرمایا: ''صدوق لا بأس به''

یہ ثقہ وصدوق راوی ہیں اور ان کے استاد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

نضر بن محمد والی یہ سند حسن لذاتہ یعنی حجت ہے۔

اسے نضر بن محمد الیمامی کی سند سے درج ذیل اماموں نے بھی روایت کیا ہے۔

١: ابن ابی عاصم (الآحاد والمثانی ١/٣٦٤ ح ٤٨٧، ٥/ ٤١٨ ح ٣٠٧٠)

٢: ابن حبان (صحیح ابن حبان: ١٦٦٧ دوسرا نسخہ: ٧٢١٠)

٣: طبرانی (المعجم الکبیر ٢٣/ ٢٤٠ ح ٤٠٤، ١٢/ ١٩٩ ح ١٢٨٨٥)

٤: بیہقی (السنن الکبریٰ ٧/ ١٤٠)

٥: عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی (المصباح فی عیون الصحاح: ٤٨ شاملہ)

٦: حسین بن ابراہیم الجورقانی الہمدانی

(الاباطیل والمناکیر ١/ ١٨٩ ح ١٨٠، وقال: ''هذا حديث صحيح...'')

اسے نضر بن محمد سے احمد بن یوسف السلمی، عباس بن عبدالعظیم العنبری اور احمد بن جعفر المعقری ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے۔

اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رُو سے یہ سند حسن لذاتہ یعنی صحیح ہے اور متن پر حافظ

ابن القیم وغیرہ کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں یہ صراحت نہیں کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ تینوں سوال ایک ہی مجلس میں کئے تھے، بلکہ امام بیہقی نے لکھا ہے:

" و إن كانت مسئلته الاولىٰ إياه وقعت في بعض خرجاته إلى المدينة وهو كافر حين سمع نعي زوج أم حبيبة بأرض الحبشة والمسئلة الثانية والثالثة وقعتا بعد اسلامه، لا يحتمل إن كان الحديث محفوظًا إلا ذلك۔ والله أعلم " اور اگر ان کا پہلا سوال (ام حبیبہ کی شادی کے متعلق) واقع ہوا تو یہ ان کے اس سفر میں تھا جب وہ کافر کی حیثیت سے مدینہ آئے تھے، جب انھوں نے (اپنی بیٹی) ام حبیبہ کے شوہر کی حبشہ میں موت کے بارے میں سنا، دوسرا اور تیسرا سوال ان کے اسلام لانے کے بعد کے ہیں، اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو اس کے سوا دوسرا کوئی احتمال نہیں۔ واللہ اعلم

(السنن الکبریٰ ۷/۱۴۰)

اور یہی احتمال صحیح ہے کہ غزوۂ بدر سے پہلے ابوسفیان رضی اللہ عنہ مدینے آئے تو انھوں نے یہ سوال کیا تھا، لہٰذا صحیح مسلم کی یہ حدیث محفوظ ہے اور کسی صحیح دلیل کے ساتھ اس کا کوئی تعارض نہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ اہلِ حدیث کے نزدیک صحیح بخاری و صحیح مسلم کی تمام مرفوع مسند متصل احادیث یقیناً اور قطعی طور پر صحیح ہیں اور زمانۂ تدوینِ حدیث میں بعض علماء کا بعض روایات یا بعض حروف پر جرح کرنا مرجوح و غلط ہے اور زمانۂ تدوین حدیث و زمانۂ شارحین حدیث (یعنی ۹۰۰ھ) کے بعد ان روایات پر جرح کرنا باطل و مردود ہے۔

حافظ ابن کثیر الدمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

''ثم حكى أن الأمة تلقت هذين الكتابين بالقبول، سوى أحرف يسيرة، انتقد ها بعض الحفاظ كالدار قطني وغيره، ثم استنبط من ذلك القطع بصحة ما فيها من الأحاديث ، لأن الأمة معصومة عن الخطأ، فما ظنت صحته وجب عليها العمل به، لا بُدّ وأن يكون صحيحاً في نفس الأمر، وهذا جيد''

پھر (ابن الصلاح نے) بیان کیا کہ بے شک (ساری) امت نے ان دو کتابوں (صحیح بخاری وصحیح مسلم) کو قبول کرلیا ہے، سوائے تھوڑے حروف کے جن پر بعض حفاظ مثلاً دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی ہے۔ پھر اس سے (ابن الصلاح نے) استنباط کیا کہ ان دونوں کتابوں کی احادیث قطعی الصحت ہیں کیونکہ امت (جب اجماع کرلے تو) خطا سے معصوم ہے۔ جسے امت نے (بالاجماع) صحیح سمجھا تو اس پر عمل (اور ایمان) واجب ہے اور ضروری ہے کہ وہ حقیقت میں بھی صحیح ہی ہو۔ اور (ابن الصلاح کی) یہ بات اچھی ہے۔

(اختصار علوم الحدیث ۱/۱۲۴، ۱۲۵)

اصولِ فقہ کے ماہر حافظ ثناء اللہ الزاہدی نے ایک رسالہ ''**أحادیث الصحیحین بین الظن والیقین**'' لکھا ہے، جس میں ابواسحاق الاسفرائنی (متوفی ۴۱۸ھ) امام الحرمین الجوینی (متوفی ۴۷۸ھ) ابن القیسرانی (متوفی ۵۰۷ھ) ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) اور ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) وغیرہم سے صحیحین کا صحیح وقطعی الثبوت ہونا ثابت کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ الدہلوی نے لکھا ہے: ''**أما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علٰی أن جمیع ما فیھما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع و أنھما متواتران إلٰی مصنفیھما وأنه کل من یھون أمرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المؤمنین**''

''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ عربی ۱/۱۳۴، اردو ۱/۲۴۲ ترجمہ: عبدالحق حقانی)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: ''صحیح بخاری کا دفاع''

یہی ہمارا منہج اور عقیدہ ہے اور الحمدللہ کتاب وسنت واجماع نیز آثارِ سلف صالحین سے یہی منہج وعقیدہ ثابت ہے، لہٰذا اس کے خلاف ہم کسی کی بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔

و ما علینا إلا البلاغ (۲۷/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۱۸/ جولائی ۲۰۱۲ء)

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راویوں پر ظہور احمد کی جرح

الحمد للّٰه ربّ العالمین والصّلوٰة والسلام علٰی رسوله الأمین ، أما بعد:

راویانِ حدیث کی تین اقسام ہیں:

ا: جن کے ثقہ وصدوق ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔

۲: جن کے ضعیف ومجروح ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔

۳: جن کے ثقہ وصدوق یا ضعیف ومجروح ہونے پر محدثین کرام میں اختلاف ہے۔

اس تیسری قسم کے بارے میں ہمارا (اہلِ حدیث کا) موقف یہ ہے کہ ثبوتِ جرح و تعدیل کی تحقیق اور عام پر خاص کی تقدیم کے بعد ہمیشہ ہر حال میں جمہور محدثین کو ترجیح حاصل ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔

موثق عند الجمہور راوی حسن الحدیث ہوتا ہے اور مضعف و مجروح عند الجمہور راوی ضعیف ومجروح ہوتا ہے۔

ہم اس چکر میں نہیں پڑتے کہ فلاں امام متعنت ومتشدد ہے، لہٰذا اس کی جرح مقبول نہیں اور فلاں امام متساہل ہے، لہٰذا اس کی توثیق مقبول نہیں، بلکہ جمہور محدثین کو ترجیح دیتے ہیں اِلاّ یہ کہ کسی مجہول الحال راوی کی توثیق میں کوئی ایک متساہل امام منفرد ہو۔

اگر ہماری قدیم تحریروں یا عبارات میں اس کے خلاف کچھ لکھا ہوا ہے تو وہ دو باتوں پر محمول ہے:

ا: یہ قول جمہور محدثین کی تحقیقات کے خلاف ہونے پر محمول ہے، یعنی جس راوی کی توثیق جمہور محدثین سے ثابت ہے، اس پر جارح کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے تھے اور اسی طرح جس راوی پر جرح جمہور محدثین سے ثابت ہے، اس کی توثیق اور موثق کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کئے گئے تھے۔

ہمارے نزدیک اولیٰ بلکہ صحیح یہ ہے کہ مختلف فیہ راوی کے بارے میں جرح وتعدیل کے مقابلے میں کسی ثقہ محدث کے بارے میں یہ الفاظ استعمال نہ کئے جائیں۔

۲: منسوخ ہے۔

زاہد کوثری (ترکی) کے پیروکار ظہور احمد دیوبندی حضروی نے بہت سے ثقہ وصدوق عند الجمہور راویوں پر جرح کی ہے، جن میں سے دس (۱۰) مثالیں بطورِ نمونہ و ردّ پیشِ خدمت ہیں، تاکہ عام مسلمان اس کوثری ٹولے کے شر وفساد سے محفوظ رہیں:

۱) احمد بن جمیل المرزوی رحمہ اللہ (م ۲۳۰ھ) جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث راوی ہیں، جیسا کہ لسان المیزان (۱/ ۱۴۷) اور تاریخ بغداد (۴/ ۷۷) وغیرہما سے ثابت ہے۔ (نیز دیکھئے میرا مضمون: تلبیساتِ ظہور وثار، فقرہ:۱)

ان کے بارے میں ظہور احمد نے لکھا ہے:

''تیسرے قول کی سند بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ عقیلیؒ کا استاد احمد بن جمیل الھروی المروزی ہے، اس کے بارے میں امام یعقوب بن شیبہؒ فرماتے ہیں کہ: صدوق لم یکن بالضابط یہ سچا ہے، لیکن روایت کو ضبط (اچھی طرح یاد) نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس کی روایت کا کیا اعتبار ہے؟'' (تلامذہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا محدثانہ مقام ص ۱۹۹)

جمہور محدثین کے نزدیک موثق راوی کا اعتبار نہیں لیکن ظہور وثار کا اعتبار ہے؟!

سبحان اللہ!

۲) امام احمد بن علی بن مسلم الابار البغدادی رحمہ اللہ بالاجماع ثقہ ہیں۔ انھیں حافظ ذہبی، امام دارقطنی اور خطیب بغدادی وغیرہم نے ثقہ قرار دیا ہے۔

(دیکھئے میرا مضمون: امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار رحمہ اللہ، الحدیث حضرو: ۹۷)

ان کے بارے میں ظہور احمد (ننھے کوثری) نے لکھا ہے:

''زبیر علی زئی کا اس قول کی سند کو صحیح کہنا غلط ہے کیونکہ حافظ عقیلی کا استاذ احمد بن علی الأبار جو کہ خیوطی یا حنوطی سے مشہور ہے، ایک دروغ گو راوی ہے اور اس نے ایک جھوٹی روایت

بیان کر رکھی ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ اس کو "الضعفاء" (ضعیف راویوں) میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں...." (تلامذہ ص۴۹۹)

امام ابوالعباس الابار پر ظہور احمد کی دیگر نیش زنیوں کے لئے دیکھئے تلامذہ (ص۲۰۴، ۲۱۴، ۴۰۷، ۵۰۴)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام ابوالعباس احمد بن علی بن مسلم الابار البغدادی رحمہ اللہ کو ہرگز کتاب الضعفاء میں ذکر نہیں کیا بلکہ انھوں نے ابار کو "**الحافظ المتقن الإمام الرباني**" یعنی حافظ، ثقہ، امام ربانی قرار دیا ہے۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۳/۴۴۳)
اوران کی بیان کردہ احادیث کو صحیح کہا ہے۔ (تلخیص المستدرک ۱/ ۲۲۷ ح۸۲۶، ۴/ ۳۱۷ ح۷۸۸۸)

نیز حافظ ذہبی نے فرمایا: "**وله تاريخ مفيد رأيته و قد وثقه الدارقطني و جمع حديث الزهري**" اوران کی (کتاب) تاریخ مفید ہے، میں نے اسے دیکھا ہے اور انھیں دارقطنی نے ثقہ کہا ہے اور انھوں نے (امام) زہری کی احادیث جمع کی تھیں۔
(النبلاء ۱۳/۴۴۴)

ظہور احمد نے ایک مجہول الحال راوی ابوعبید الآجری کے بارے میں لکھا ہے:
"کیونکہ اگر وہ امام ابن کثیر اور حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک ثقہ نہیں ہیں تو پھر انہوں نے امام ابو داؤد سے جرح وتعدیل کی بابت جو سوالات کیے ہیں اوران سے ان کے جو جوابات نقل کیے ہیں ان کا مفید ہونا اوران کی نسبت امام ابوداؤد کی طرف ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟"
(رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ ص۳۹۴)

آجری جو کہ آجڑی نہیں تھے بلکہ مجہول الحال تھے، کو ظہور احمد کا بجزم روایات اور "مفید" کے لفظ سے ثقہ ثابت کرنا اور امام احمد بن علی الابار پر جرح کرنا بہت بڑی دوغلی پالیسی ہے۔ ابار کی تاریخ کو حافظ ذہبی نے مفید قرار دیا، جیسا کہ ابھی باحوالہ گزرا ہے اوران کے اقوال کو ذہبی وعسقلانی نے بطورِ جزم بیان کیا ہے۔ (مثلاً دیکھئے میزان الاعتدال ۱/ ۴۹۱ ت۱۸۴۹، قول محمد بن رافع والضعفاء للعقیلی ۱/ ۲۲۷۔۲۲۸، لسان المیزان ۲/ ۲۰۹، دوسرا نسخہ ۲/ ۳۹۰)

ہمارے نزدیک آجری مجہول ہے تو ہر جگہ مجہول الحال ہے اور اگر ظہور احمد کے نزدیک ثقہ ہے تو اسے ہر جگہ ثقہ تسلیم کرنا چاہئے۔

ظہور احمد نے جس طرح آجری کا دفاع کرنے کی کوشش کی ہے تو اسے مدنظر رکھتے ہوئے بادلِ نخواستہ آجری کی درج ذیل روایت پیشِ خدمت ہے:

"وقال أبو داود: سمعت أحمد بن يونس قال: رأيت أبا حنيفة رجلاً قبيح الوجه" اور (امام) ابوداود (السجستانی) نے فرمایا: میں نے احمد (بن عبداللہ) بن یونس (الیربوعی الکوفی) سے سنا، انھوں نے فرمایا: میں نے ابوحنیفہ کو دیکھا، وہ بدصورت چہرے والا انسان تھا۔ (سوالات الآجری ۵/ الورقہ ۳۹، جامع الجرح والتعدیل ۳/۲۱۴)

ہمارے نزدیک تو یہ روایت آجری (مجہول) کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن ظہور احمد کے اصول پر یہ روایت بالکل صحیح ہے۔

امام ابوداود کا ثقہ ہونا تو اظہر من الشمس ہے اور احمد بن یونس الکوفی رحمہ اللہ کتبِ ستہ کے راوی اور ثقہ حافظ ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۶۳)

نیز ترکِ رفع یدین میں اُن کی ایک روایت سے استدلال بھی کیا جاتا ہے، جو کہ دوسری وجہ سے وہم، باطل یعنی ضعیف و مردود ہے۔

۳) امام عبداللہ بن جعفر بن درستویہ الفارسی النحوی رحمہ اللہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں۔ انھیں امام ابن مندہ، بیہقی، حاکم، ذہبی اور ضیاء مقدسی وغیرہم نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔ (دیکھئے میرا مضمون: حسن بن زیاد اللؤلوی پر محدثین کرام کی جرح، فقرہ: ۳، ضربِ حق سرگودھا: ۲۹)

ان کے بارے میں ظہور احمد نے بد دیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"...اور اس کتاب کو امام یعقوب سے نقل کرنے والا عبداللہ بن جعفر بن درستویہ خود مجروح اور متکلّم فیہ ہے۔ لہٰذا ایسے راوی کی سند سے مروی قول کو امام ابو یوسفؒ جیسے عظیم امام کے خلاف پیش کرنا اور اس کو صحیح السند قرار دینا پرلے درجے کی بد دیانتی ہے۔" (تلامذہ ص ۱۹۷)

امام ابن درستویہ پر ظہور احمد کی دیگر نیش زنیوں کے لئے دیکھئے تلامذہ (ص ۲۰۹،

۲۳۱، ۴۰۶، ۵۰۵)

عرض ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کہاں گئی؟!

۴) ظہور احمد کوثری نے امام ہیثم بن خلف الدوری رحمہ اللہ (م ۳۰۷ھ) کے بارے میں لکھا ہے: ''نیز عقیلی کا استاذ ہیثم بن خلف بھی متکلم فیہ ہے، امام اسماعیلیؒ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ **انه کان لا یخالف ما فی کتابه، و ان عمله خطأ**

''یہ اپنی کتاب کی مخالفت نہیں کرتا تھا (اگرچہ اس میں غلط لکھا ہو)، اور اس کا یہ عمل غلط تھا۔'' یعنی اس کی کتاب میں درج شدہ روایات میں غلطیاں ہونے کے باوجود یہ ان کو ویسا ہی روایت کر دیتا تھا اور ان کی تصحیح نہیں کرتا تھا۔

پھر امام اسماعیلیؒ نے اس کی مثال یہ پیش کی کہ ایک راوی جن کا نام محمود تھا لیکن ہیثم کی کتاب میں غلطی سے اس کا نام محمد بن الربیع لکھا ہوا تھا۔ چنانچہ ہیثم نے اس سے جب روایت بیان کی تو اس کا غلط ہی نام لیا۔ زبیر علی زئی نے امام اسماعیلیؒ کی اس جرح کو مردود کہہ دیا۔ لیکن اگر ان میں کوئی دیانت داری ہوتی تو وہ امام اسماعیلیؒ کی جرح کو مردود کہنے کی بجائے اس متکلم فیہ راوی کی روایت جو اس نے امام ابو یوسف کے خلاف پیش کی ہے، کو مردود قرار دیتے، یا پھر ثبوت پیش کرتے کہ اس نے یہ روایت اپنی اس غلطیوں کی پلندہ کتاب سے نقل نہیں کی ہے۔'' (تلامذہ ص ۱۹۷۔۱۹۸)

اب ظہوری بیان کے بعد امام ابو محمد الہیثم بن خلف بن محمد بن عبد الرحمٰن بن مجاہد الدوری البغدادی رحمہ اللہ کی عظیم الشان توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**المتقن الثقة**'' (سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۲۶۱)

نیز دیکھئے تاریخ الاسلام (۲۳/ ۲۲۵) اور تذکرۃ الحفاظ (۲/ ۲۳۴)

۲: احمد بن کامل القاضی نے فرمایا: ''**و کان کثیر الحدیث جداً، ضابطاً لکتابه.**''

وہ بہت زیادہ کثرت سے حدیثیں بیان کرنے والے تھے، اپنی کتاب کے حافظ تھے۔

(تاریخ بغداد ۱۴/ ۶۳ و سندہ صحیح إلیہ)

۳: ابن الجوزی نے فرمایا: ''وکان کثیر الحدیث ، حافظًا ثبتًا.''
(المنتظم ۱۳/۱۹۳ ت ۲۱۶۵)

۴: امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں ان سے روایات بیان کیں۔
(مثلاً دیکھئے ح ۵۰۷۵، ۵۲۲۴، ۷۴۸۳)

۵: حاکم نے ان کی بیان کردہ حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۱/ ۴۶۵ ح ۱۷۰۷، ووافقہ الذہبی)

۶: ابونعیم الاصبہانی نے اُن سے المستخرج علیٰ صحیح مسلم میں روایات لیں۔
(مثلاً دیکھئے ۱/ ۲۹۷ ح ۵۵۳، ۲/ ۴۵۰ ح ۱۹۴۰، ۳/ ۴۶ ح ۲۱۶۵)

نیز دیکھئے حلیۃ الاولیاء (۶/ ۳۳۸)

۷: ضیاء المقدسی نے المختارۃ میں اُن سے حدیث بیان کی۔ (۴/ ۱۱۰ ح ۱۳۲۲)

۸: اُن سے عبداللہ بن احمد بن حنبل نے فضائل الصحابہ میں حدیثیں بیان کیں اور عبداللہ بن احمد صرف اسی سے روایت بیان کرتے تھے جو اُن کے والد (امام احمد) کے نزدیک ثقہ ہوتا تھا۔ (دیکھئے تعجیل المنفعہ ۱/ ۲۶۵ ترجمۃ: ابراہیم بن ابی العباس ابراہیم بن محمد، اور میرا مضمون: آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے، الحدیث حضرو: ۹۷)

۹: بغوی نے اُن سے شرح السنۃ میں ایک حدیث بیان کی اور امام ابوعیسیٰ الترمذی سے بغیر کسی رد کے نقل کیا: ''ھذا حدیث حسن'' إلخ (۱۴/ ۷۰۔۷۱ ح ۳۸۶۰)

۱۰: الشیخ الامام الصالح الواعظ المحدث محمد بن محمد بن علی الطائی الہمدانی (م ۵۵۵ھ) نے ہیثم بن خلف کی حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: ''ھـذا حـدیـث حسـن عـال صحیح'' (کتاب الاربعین فی ارشاد السائرین الیٰ منازل المتقین ۱/ ۱۵۳ ح ۲۴، شاملہ)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں، جنھیں قائلین کے متاخر ہونے کی وجہ سے پیش کرنے کی یہاں کوئی ضرورت نہیں، مثلاً سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے کہا: ''الحافظ الثقة''
(طبقات الحفاظ ص ۳۲۴ ت ۷۳۷)

ابن العماد الحنبلی (م ۱۰۸۹ھ) نے کہا: ''وکان ثقة''

(شذرات الذہب ۲/ ۲۵۱ وفیات ۳۰۷ھ)

دس محدثین کے مقابلے میں ظہور احمد نے صرف امام اسماعیلی کا قول پیش کیا ہے اور دیانت داری کا تذکرہ کیا ہے۔

دس محدثین کے مقابلے میں صرف ایک کی بات کون سنتا ہے اور یہ کون سی دیانت داری ہے؟! نیز یہاں بھی ظہور احمد نے ڈنڈی مارنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ لسان المیز ان میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ "مع أن الإسماعيلي وصفه بأنه أحد الأثبات"

(ج ٦ ص ٢٠٦، دوسرا نسخہ ۷/ ۲۹۱)

حمزہ بن یوسف السہمی نے اسماعیلی سے نقل کیا: "حدثني الهيثم بن خلف الدوري أبو محمد و كان أحد الأثبات" (سوالات السہمی: ۳۷۵)

اثبات ثبت کی جمع ہے اور ثبت ثقہ کو کہتے ہیں۔

ابوعبدالرحمٰن السلمی (ان کے بارے میں مفصل تحقیق جاری ہے/ ان شاء اللہ) کی روایت میں صاف طور پر "ثقة" کا لفظ بحوالہ امام دارقطنی موجود ہے (۳٦۴) لیکن جب تک السلمی کی توثیق جمہور محدثین سے ثابت نہ ہو، اس روایت سے استدلال صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

حافظ ذہبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "وعنه... و أبو بكر الإسماعيلي ووثقه.."

(تاریخ الاسلام ۲۳/ ۲۲۵)

ثابت ہوا کہ اسماعیلی کی جرح منسوخ ہے یا جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

یاد رہے کہ استاذوں سے سُنے ہوئے اصلی قلمی مخطوطے میں تغیر وتبدل کرنا علیحدہ مسئلہ ہے، جس کی تفصیل اصولِ حدیث یا آثارِ علماء میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ہیثم بن خلف کا مخطوطے میں تغیر وتبدل نہ کرنا ان کی احتیاط کی دلیل ہے، نہ کہ ضعیف ہونے کی مگر آلِ کوثری جیسے اندھوں کو سب اندھیرا ہی محسوس ہوتا ہے۔

۵) مشہور راوی اور امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن احمد بن محمد بن ثابت بن مسعود بن یزید

المروزی عرف ابن شبویہ رحمہ اللہ کو حافظ ابن حبان اور ضیاء مقدسی نے ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا۔ ابوسعد الادریسی، حاکم، خطیب بغدادی اور سمعانی وغیرہم نے زبردست تعریف کی اور ابن الجوزی نے فرمایا: حدیث کے فاضل راسخ اماموں میں سے ہیں۔

(دیکھئے الحدیث حضرو: ۹۷، آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے، کا پہلا صفحہ)

ان کے بارے میں ظہور احمد نے لکھا ہے: ''اس قول کی سند کو صحیح کہنا علی زئی کا دھوکہ ہے، اس لیے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن احمد بن شبویہ کے متعلق سوائے امام ابن حبانؒ کے کسی کی توثیق معلوم نہیں ہے'' (تلامذہ ص ۲۰۵)

اس پر ہم یہی تبصرہ کر سکتے ہیں کہ آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے۔!!

۶) امام ابوبکر عبداللہ بن ابی داود السجستانی رحمہ اللہ (م ۳۱۶ھ) جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی ہیں۔ انھیں ابن حبان، دارقطنی، ابن عدی، ابوعوانہ، حاکم، ابونعیم الاصبہانی اور ذہبی وغیرہم نے ثقہ وصدوق قرار دیا۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ج۴ ص ۳۸۳۔۳۸۷)

اس جلیل القدر امام پر ظہور احمد کوثری نے درج ذیل الفاظ میں جرح کی ہے

''جواب: اس قول کی سند میں ایک راوی امام ابوداود کا بیٹا ابوبکر عبداللہ بن ابی داودؒ باقرار غیر مقلدین خود اپنے والد امام ابوداودؒ کے نزدیک کذاب اور کثیر الخطاء ہے، چنانچہ امام ابو داود صاحب السنن فرماتے ہیں: **ابنی عبد اللّٰہ کذاب** ۔ میرا بیٹا عبداللہ کذاب (بہت بڑا جھوٹا) ہے۔'' (تلامذہ ص ۵۰۱)

یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ امام ابوداود کی طرف منسوب یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔ (دیکھئے تحقیقی مقالات ۴/۳۸۰)

نیز جمہور محدثین کے مقابلے میں غیر جمہور کی جرح یا تعدیل ہمیشہ مرجوح ہوتی ہے، اگرچہ اس کا قائل راوی کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔

ظہور احمد نے ایک اہلِ حدیث عالم کی عبارت سے استدلال کیا ہے، جو کہ کئی لحاظ سے غلط ہے:

۱: ایک اہلِ حدیث عالم کی بات کوتمام اہلِ حدیث کا مسلک و مذہب قرار دینا ہرگز صحیح نہیں، بلکہ عین ممکن ہے کہ دوسرے علماء کواُن سے اس بات میں اختلاف ہو۔

۲: راقم الحروف نے امام ابن ابی داود کے دفاع میں ایک تحقیقی مضمون لکھ کر شائع کیا ہے۔

۳: امام ابوداود کی طرف منسوب جرح باسند صحیح ثابت نہیں۔ وغیر ذلک

۷) امام ابوعمر محمد بن عباس بن محمد بن زکریا بن یحییٰ بن معاذ الخزاز المعروف بابن حیویہ البغدادی رحمہ اللہ (م ۳۸۱ھ) کے خلاف نیش زنی کرتے ہوئے ظہور احمد نے لکھا ہے:

''نیز عبداللہ کا شاگرد محمد بن عباس الخزاز ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن ابی الفوارسؒ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں: وکان فیہ تساھل کہ اس میں تساہل تھا۔

خود علی زئی نے متساہل راوی کوضعیف قرار دیا ہے۔''

(تلامذہ ص ۵۰۲ بحوالہ لسان المیزان ۵/ ۲۱۹، الحدیث: ۲ ص ۳۵)

اب کھولئے لسان المیزان اور پڑھیے امام محمد بن عباس الخزاز کی توثیقات:

۱: خطیب بغدادی نے فرمایا: '' کان ثقة''

۲: ازہری نے تسامح کا ذکر کرنے کے باوجود کہا: ''وکان مع ذلك ثقة ''

۳: عتیقی نے ان کی بہت تعریف کی اور فرمایا: ''کان ثقة صالحًا، دینًا ذا مروءة''

اور فرمایا: ''کان متیقظًا'' (لسان المیزان ج ۵ ص ۲۱۴۔۲۱۵، دوسرا نسخہ ۶/ ۲۱۴۔۲۱۵)

اب مزید حوالے بھی پیشِ خدمت ہیں:

۴: نیز حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: '' وکان ثقة دینًا کثیر السماع...''

(المنتظم ۱۴/ ۳۶۴ ت ۲۸۹۱)

۵: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''الإمام المحدث الثقة المسند ''(النبلاء ۱۶/ ۴۰۹)

۶: حافظ ابن کثیر نے فرمایا: ''وکان ثقة دینًا متیقظًا ذامروءة''

(البدایہ والنہایہ ۱۲/ ۳۳۱)

۷:   ابن ناصر الدین نے فرمایا:"و کان ثقة مکثرًا" (توضیح المشتبہ ۲/۲۱۹)

۸:   صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی (م۷۶۴ھ) نے کہا:"و کان ثقة" (الوافی بالوفیات ۳/۱۶۳)

اس جم غفیر کے مقابلے میں اکیلے امام ابن ابی الفوارس کی جرح پرکاہ کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی، مگر افسوس ہے ظہور احمد کی عقل پر کہ جمہور کے مقابلے میں شاذ اقوال کو سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

۸)   ظہور احمد کوثری نے امام ابوعمرو عثمان بن احمد بن السماک الدقاق رحمہ اللہ کے بارے میں زہر افشانی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس قول کی سند میں ایک راوی عثمان بن احمد بن السماک الدقاق متکلم فیہ ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کے بارے میں تصریح کی ہے کہ اس نے بڑی جھوٹی حدیثیں روایت کی ہیں، اور حافظ ذہبیؒ نے اس کی روایت کردہ ایک موضوع حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

و ینبغی ان یغمز ابن السماك بروایة لھذہ الفضائح۔ یہ مناسب ہے کہ ابن السماک، کو مذکورہ عیوب روایت کرنے کی وجہ سے کمزور قرار دیا جائے۔

نیز حافظ موصوف اس کو ''ضعفاء'' (ضعیف راویوں) میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

موثق، لکنه راوية للموضوعات عن طيور. اس کی اگرچہ توثیق کی گئی ہے لیکن اس نے طیور (نامعلوم لوگوں) سے موضوع احادیث روایت کی ہیں۔'' الخ (تلامذہ ص۳۹۱)

حافظ ذہبی کی ان عبارات کو نقل کرنے میں ظہور احمد نے تین خیانتیں کی ہیں:

۱:   حافظ ذہبی نے صاف لکھا ہے:"**صدوق في نفسه لكن روايته لتلك البلايا عن الطيور كوصية أبي هريرة رضي الله عنه فالآفة من فوق**"

وہ (دقاق) بذاتِ خود ثقہ ہیں لیکن انھوں نے پرندوں (مجہول لوگوں) سے یہ مصیبتیں (موضوع روایتیں) بیان کی ہیں، جیسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وصیت، پس آفت (وجہِ ضعف) اس سے اوپر (یعنی دوسرے راویوں کی وجہ سے) ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/۳۱)

حافظ ذہبی نے تو امام ابن السماک کو بری قرار دیا مگر ننھے کوثری صاحب اپنی نیش زنیوں میں سرگرداں ہیں۔

۲: حافظ ذہبی نے لکھا ہے:"أما هو فوثقه الدارقطني" رہے وہ (ابن السماک) تو انھیں دارقطنی نے ثقہ کہا ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/۳۱)

یہ دو عبارات چھپا کر ظہور وشار نے ان لوگوں کی تقلید کی ہے جنھیں مسخ کر دیا گیا تھا۔

۳: حافظ ابن حجر العسقلانی نے حافظ ذہبی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

" ولا ينبغي أن يغمز ابن السماك بهذا ولو فتح المؤلف علٰى نفسه ذكر من روى خبرًا كذبًا آفته من غيره ما سلم معه سوى القليل من المتقدمين فضلاً عن المتأخرين ، و إني لكثير التألم من ذكره لهذا الرجل الثقة في هذا الكتاب بغير مستند ولا سلف ."

اور ابن السماک پر اس وجہ سے جرح نہیں کرنی چاہئے اور اگر مصنف (حافظ ذہبی) اپنے آپ پر وہ دروازہ کھولتے ہیں کہ جس نے بھی جھوٹی روایت بیان کی، جس کی وجہ ضعف دوسرے راویوں کی طرف سے ہوتی ہے کہ اسے اس کتاب (میزان الاعتدال) میں ذکر کیا جائے تو متاخرین کو چھوڑیں، متقدمین میں سے بھی بہت تھوڑے لوگ بچتے اور مجھے اس بات پر بہت تکلیف پہنچی ہے کہ اس ثقہ آدمی کو بغیر کسی دلیل اور اقوالِ سلف کے اس کتاب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ (لسان المیزان ۴/۱۳۱، دوسرا نسخہ ۴/۵۸۹)

یہاں تو اتنا صریح رد اور عظیم الشان دفاع ظہور احمد کو نظر نہ آیا، لیکن جب مرضی کی بات ہوئی (یعنی مسلمہ بن قاسم القرطبی ضعیف عند الجمہور کا معاملہ پیش آیا) تو ظہور احمد نے لکھا:

''حافظ ذہبیؒ نے اگرچہ ان کو ضعیف کہا...لیکن حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس پر حافظ ذہبیؒ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:'' (تلامذہ ص ۴۷۱)

ظہور احمد نے مزید لکھا ہے:''علی زئی نے امام مسلمہؒ کے ضعیف ہونے پر بطورِ دلیل ''لسان المیزان'' کا حوالہ بھی دیا ہے لیکن ان کے تعصب کی انتہاء ہے کہ وہاں ان کو حافظ

ذہبیؒ کا امام مسلمہؒ کو ضعیف کہنا تو نظر آیا لیکن ان کو حافظ ابن حجرؒ کا حافظ ذہبیؒ کی تردید کرنا اور امام مسلمہؒ کی توثیق کرنا نظر نہیں آیا...'' (تلامذہ ص۴۷۲۔۴۷۳ حاشیہ)

کیا ظہور صاحب نے اپنا سر جھکا کر اپنے گریبان میں بھی دیکھا ہے یا نہیں؟ اور یاد رہے کہ حافظ ابن حجر سے مسلمہ بن قاسم کی صریح توثیق ہرگز ثابت نہیں اور کبیر القدر کے الفاظ توثیق نہیں کہلاتے۔

اب امام ابن السماک کی صریح توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: خطیب نے فرمایا: ''كان ثقة''

۲: دارقطنی نے فرمایا: ''وكان من الثقات''

۳: ابن شاہین نے فرمایا: ''عثمان بن أحمد الدقاق الثقة المأمون''

۴: ابوالحسین بن ابن الفضل القطان نے فرمایا: ''وكان ثقة صالحًا صدوقًا''

(بحوالہ لسان المیزان ۴/۱۳۲، تاریخ بغداد ۱۱/۳۰۲۔۳۰۳)

۵: حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''الثقة''

۶: حاکم نے فرمایا: ''الثقة المأمون'' (المستدرک ۱/۳۰۰ ح ۶۷۴)

۷: ابن الجوزی نے فرمایا: ''وكان ثقة صدوقًا (ثبتًا) صالحًا ''

(المنتظم ۱۴/۹۹ وفیات ۳۴۴ھ)

۸: حافظ ابن کثیر نے فرمایا: ''وكان ثقة ثبتًا '' (البدایہ والنہایہ ۱۲/۱۹۴ نسخہ محققہ)

۹: سمعانی نے فرمایا: ''كان ثقة صدوقًا ''. (الانساب ۳/۲۹۰، السماک)

۱۰: ابن اثیر نے فرمایا: ''بغدادي ثقة صدوق'' (اللباب فی تہذیب الانساب ۱/۴۵۱)

اس جمِ غفیر کے مقابلے میں اکیلے حافظ ذہبی کی جرح کون سنتا ہے؟ نیز حافظ ذہبی کی جرح بھی تین دلیلوں کی رُو سے منسوخ ہے:

دلیل اول: حافظ ذہبی نے فرمایا:

''ابن السماك الشيخ الإمام المحدث المكثر الصادق''(النبلاء ۱۵/۴۴۴)

دلیل دوم: حافظ ذہبی نے ابن السماک کی بیان کردہ حدیثوں کو صحیح کہا ہے۔

(مثلاً دیکھئے تلخیص المستدرک ۱/۳۲۳ ح ۱۲۰۶)

دلیل سوم: خود حافظ ذہبی نے ابن السماک کو بری قرار دیا ہے، جس کا حوالہ دو صفحے پہلے گزر چکا ہے۔ (میزان الاعتدال ۳/۳۱)

ایسے جلیل القدر ثقہ امام پر کوثری اور ظہور و نثار کی جرح ظلم عظیم ہے اور ان ظہوری و نثاری کارروائیوں سے یہی ظاہر ہے کہ یہ دونوں اشخاص سبیل المؤمنین کو چھوڑ کر مخالف سمت پگڈنڈیوں پر گامزن بلکہ سرپٹ دوڑے جا رہے ہیں۔

۹) امام ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل بن یوسف السلمی رحمہ اللہ (م ۲۸۰ھ) کے بارے میں ظہور احمد کوثری نے لکھا ہے:

''اس قول کی سند کے ابتدائی حصہ سے قطع نظر امام احمدؒ سے اس قول کے ناقل ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل خود متکلم فیہ ہے، چنانچہ امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازیؒ (م ۳۲۷ھ) اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **سمعت منه بمكه و تكلموا فيه۔** مین نے اس سے مکہ مکرمہ میں سماع کیا تھا، اور وہاں کے محدثین اس میں کلام کرتے تھے۔

لہٰذا ایسے متکلم فیہ راوی کی روایت کی بنیاد پر ائمہ مجتہدین کو کیسے مجروح ثابت کیا جا سکتا ہے؟'' (تلامذہ ص ۳۷۵)

اب غلط ترجمے سے قطع نظر ''ظہوری متکلم فیہ'' راوی کی توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: خطیب بغدادی نے فرمایا: ''**وکان فَهِمًا متقنًا مشهورًا بمذهب السنة.**''
اور آپ سمجھدار، ثقہ، اہلِ سنت کے مذہب کے ساتھ مشہور تھے۔ (تاریخ بغداد ۲/۴۲ ت ۴۳۵)

۲: امام دارقطنی نے فرمایا: ''**ثقة صدوق**'' (سوالات الحاکم: ۱۷۵)

۳: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۹/۱۵۰۔۱۵۱)

۴: حافظ ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (۱/۱۱۶ ح ۲۳۲)

۵: حاکم نے ان کی بیان کردہ حدیث کو ''**صحیح الاسناد**'' کہا۔

(المستدرک ۱/۲۷ ح ۲۴۴ ووافقہ الذہبی)

۶: حافظ ذہبی نے فرمایا: "الإمام الحافظ الثقة" (النبلاء ۱۳/۲۴۲)

اورفرمایا: "قلت: انبرم الحال علٰی توثیقه و امامته" (النبلاء ۱۳/۲۴۳)

۷: بیہقی نے ثقہ قرار دیا۔ (السنن الکبریٰ ۲/۳۷، راقم کی کتاب نور العینین ص ۱۲۰)

۸: حافظ ابن حجر نے ثقہ قرار دیا۔ (التلخیص الحبیر ۱/۲۱۹ ح ۳۲۸، نور العینین ص ۱۲۰)

اورفرمایا: "ثقة حافظ ، لم يتضح كلام ابن أبي حاتم فيه"

(تقریب التہذیب: ۵۷۳۸)

۹: امام ابوعوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (مسند ابی عوانہ ۲/۳۱۲ ح ۱۸۱۸)

۱۰: حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: "و کان ثقة فهما متقناً مشهوراً بمذهب السنة"

(المنتظم ۱۰/۱۹۴ وفیات ۳۰۸ھ!!)

جمہور کے نزدیک ثقہ امام پر امام ابن ابی حاتم یا امام ابوحاتم کی جرح کی حیثیت ہی کیا ہے؟! اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: وہ ثقہ حافظ ہیں، ان کے بارے میں ابن ابی حاتم کا کلام (تکلموا فیه) واضح نہیں ہوا۔ (تقریب التہذیب: ۵۷۳۸)

حاکم نے فرمایا: "لم يتكلم فيه أبو حاتم" ابوحاتم نے اُن کے بارے میں کوئی کلام نہیں کیا۔ (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۱۷۵)

۱۰) ابوالسائب سلم بن جنادہ بن سلم بن خالد الکوفی السوائی العامری رحمہ اللہ (م ۲۵۴ھ) کے بارے میں ظہور احمد نے تلبیس کرتے ہوئے لکھا ہے:

"جواب: اس قول کی سند کے دیگر راویوں سے قطع نظر اس کے مرکزی راوی کہ جس نے امام وکیع سے یہ قول نقل کیا ہے وہ ابوالسائب سلم بن جنادہ ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ثقة ربما خالف (تقریب التہذیب: ۱/۳۷۳) یہ ثقہ ہے، لیکن بسا اوقات یہ (دیگر ثقہ راویوں کی) مخالفت کرتا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے بھی اس کو ضُعفاء میں ذکر کر کے اس کے بارے میں امام ابواحمد حاکمؒ کا قول نقل کیا ہے کہ: اسؒ کی بعض احادیث میں

مخالفت پائی جاتی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء: ۱/ ۴۲۵)
اور چونکہ اس کی یہ مذکورہ روایت بھی دیگر ثقہ راویوں کہ جنہوں نے امام وکیعؒ سے امام ابوحنیفہؒ کی تعریف نقل کی ہے، کی روایات کے مخالف ہے لہٰذا یہ شاذ اور مردود ہے۔'' (تلامذہ ص ۱۵۸)

اس ظہوری نیش زنی کے مقابلے میں سلم بن جنادہ رحمہ اللہ کی توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: امام برقانی نے فرمایا: ''وهو ثقة حجة لا يشك فيه ، يصلح للصحيح''
وہ ثقہ حجت ہیں، اس میں کوئی شک نہیں، وہ صحیح احادیث (یا صحیح) کے لئے مناسب ہیں۔
(تاریخ بغداد ۹/ ۱۴۸ ت ۴۷۵۹ وسندہ صحیح)

۲: ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (۸/ ۲۹۸)

☆ ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''كوفي شيخ'' (کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۲۶۹)
چونکہ مجرد شیخ کا لفظ واضح طور پر کلماتِ توثیق میں سے نہیں، لہٰذا اس فقرے پر کوئی نمبر درج نہیں کیا گیا۔ (نیز دیکھئے تلامذہ... ص ۱۶۳، کا حاشیہ)

۳: امام ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں اُن سے حدیث بیان کی۔ (۱/ ۱۰۷ ح ۲۱۵)

۴: امام ترمذی نے ان کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''حسن صحیح غریب'' قرار دیا۔
(سنن ترمذی: ۱۸۸۱)

۵: حاکم نے ان کی بیان کردہ حدیث کو امام مسلم کی شرط پر (صحیح) کہا۔
(المستدرک ۱/ ۳۷۰ ح ۱۳۶۹، ووافقہ الذہبی)

۶: ضیاء المقدسی نے المختارہ میں ان سے حدیث بیان کی۔ (۱/ ۳۲۵ ح ۱۲۰، ۱۱/ ۱۱۲ ح ۱۰۳)

۷: امام بخاری نے صحیح بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں میں ان سے حدیث بیان کی ہے اور ظفر احمد تھانوی نے لکھا ہے: ''وكذا كل من حدّث عنه البخاري فهو ثقة فانه لا يروي إلا عن ثقة عنده لا في الصحيح ولا في غيره۔''
(اعلاء السنن ۱۹/ ۲۲۳، قواعد فی علوم الحدیث)

۸: حافظ ابن حجر نے انھیں ثقہ کہا اور ان کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''صحيح السند

غریب بعض المتن" قرار دیا۔ (نتائج الافکار ۲/ ۱۹۵)

لہٰذا ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک توثیق کے بعد "ربما خالف" یعنی بعض اوقات وہ دوسرے راویوں کی مخالفت کرتے تھے، کے الفاظ جرح نہیں کہ ان کی روایت کو ضعیف یا شاذ کہہ کر مردود قرار دیا جائے۔ جمہور کی اس جرح کے مقابلے میں حافظ ابن حجر کا غیر مضر قول اور المغنی فی الضعفاء کا حوالہ پیش کرنا غلط ہے اور دوسرے یہ کہ اس حوالے میں بھی ظہور احمد نے ہاتھ کی "صفائی" دکھائی ہے، یعنی خیانت کا ارتکاب کیا ہے۔

حافظ ذہبی نے اگرچہ ابو احمد الحاکم کا قول: "یخالف في بعض حدیثه" نقل کیا ہے، لیکن اس سے پہلے اپنا فیصلہ یہ لکھا ہے: "صدوق" (المغنی فی الضعفاء ۱/ ۴۲۵ ت ۲۵۱۹)

حافظ ذہبی نے اپنی مشہور کتاب الکاشف میں سلم بن جنادہ کے بارے میں لکھا ہے: "ثقة" اور کسی قسم کی کوئی جرح نقل نہیں کی۔ (۱/ ۳۰۳ ت ۲۰۲۹)

ظہور و نثار دونوں سر جوڑ کر اور عینکیں لگا کر بیٹھیں اور یہ فیصلہ کریں کہ انھوں نے حافظ ذہبی کی عبارت اور توثیق چھپا کر کتنی بڑی خیانت کی ہے؟!

چونکہ ہمارا منہج اسماء الرجال میں جمہور محدثین کو ہمیشہ ترجیح دینا ہے، لہٰذا میں ظہور احمد کی طرح یہ نہیں کہتا کہ ابو احمد الحاکم الکبیر نے امام ابو حنیفہ النعمان بن ثابت رحمہ اللہ پر اپنی کتاب الکنیٰ میں جرح کی ہے، یعنی یہ لکھا ہے: "عامة حدیثه خطاء" ان کی عام حدیثیں غلط ہیں۔ (الکنیٰ ج ۴ ص ۱۷۵ ت ۱۸۵۱)

قارئین کرام! یہ دس (۱۰) نمونے مشتے از خروارے ہیں، ورنہ ظہور احمد کوثری نے بہت سے ثقہ و صدوق عند الجمہور راویوں پر جرح کی ہے، یا متعصب وغیرہ کے الزامات لگائے ہیں، جن میں سے بعض کے نام باحوالہ درج ذیل ہیں:

۱: امام عبداللہ بن ادریس الکوفی رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۳۰۱)

من رجال الستة وقال الحافظ ابن حجر: "ثقة فقيه حافظ"

(تقریب التہذیب: ۳۲۰۷)

۲: عبیداللہ بن موسیٰ الکوفی رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۰۸)

من رجال الستة و وثقه الجمهور وقال الحافظ ابن حجر: "ثقة كان يتشيع"

(تقریب التہذیب: ۴۳۴۵)

۳: عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۲۰)

وثقه أبو الوليد الباجي والجمهور.

۴: امام عمرو بن علی الفلاس رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۲۸)

من رجال الستة وقال ابن حجر: "ثقة حافظ" (تقریب التہذیب: ۵۰۸۱)

۵: ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (دیکھئے تذکرہ ص ۲۴۰)

وثقه الجمهور في روايته وقال ابن حجر: "ثقة حافظ رمي بالنصب"

(تقریب التہذیب: ۲۷۳۰)

قلت: وهذا لا يضر في روايته.

۶: امام مظلوم نعیم بن حماد رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۴۰)

وثقه الجمهور. (دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۴۴۹۔۴۶۷)

امام نعیم کو ظہور احمد نے اپنی نیش زنیوں اور زہریلے تیروں کا نشانہ بنایا ہے، حالانکہ ظہور کے چہیتے عبدالقادر قرشی نے لکھا ہے:

"نعيم بن حماد الإمام الكبير" (الجواہر المضیۃ ۲/۲۰۲)

عبدالقادر نے امام احمد بن حنبل سے امام نعیم کی توثیق نقل کی اور کسی قسم کی کوئی جرح نقل نہیں کی۔

۷: عثمان بن سعید الدارمی رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۴۸)

هو ثقة بالاجماع. (دیکھئے تحقیقی مقالات ۱/۴۳۹۔۴۴۸)

۸: امام احمد بن سعد بن الحکم بن محمد بن سالم المصری عرف ابن ابی مریم رحمہ اللہ

(دیکھئے تلامذہ ص ۳۶۷، ۳۸۰)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "صدوق" (تقریب التہذیب: ۳۶)
بقی بن مخلد نے ان سے روایت بیان کی اور بقی صرف اسی راوی سے بیان کرتے تھے جو ان کے نزدیک ثقہ ہوتا تھا۔
مسلمہ بن قاسم (ضعیف عند الجمهور) نے کہا: ثقة.
نسائی نے سنن نسائی میں روایت بیان کی اور ہمارے علم کے مطابق کسی محدث نے ان پر کوئی جرح نہیں کی۔
امام ابوداود نے بھی حدیث بیان کی اور ذہبی نے فرمایا:
"الإمام الحافظ" (النبلاء ۱۲/ ۳۱۱)

۹: علی بن احمد بن سلیمان عرف علان المصری رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۳۸۰)
ان کے بارے میں ابن یونس المصری نے فرمایا: "وكان ثقة" إلخ
حاکم نے ان کی حدیث کو صحیح کہا۔ (المستدرک ۱/ ۵۵۲ ح ۲۰۲۷ ووافقہ الذہبی)
ذہبی نے فرمایا: "الإمام المحدّث العدل" (النبلاء ۱۴/ ۴۹۶)
جمہور کی اس توثیق کے بعد "وفي خلقه زعارة" کے الفاظ مردود ہیں۔

۱۰: حسن بن موسیٰ الاشیب رحمہ اللہ (دیکھئے تلامذہ ص ۲۴۷)
کتبِ ستہ کے راوی ہیں اور حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ثقة" (تقریب التہذیب: ۱۲۸۸)
وغير ذلك كالدراوردي المدني و الدارقطني و عبد الله بن أحمد بن حنبل وغيرهم رحمهم الله أجمعين.
ان مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ ظہور و نثار نے علم اسماء الرجال، اصول حدیث اور علم حدیث کو بازیچۂ اطفال اور کھیل کود بنا رکھا ہے۔ کوثری کی تقلید نے انھیں ایسا اندھا کر دیا ہے کہ سلف صالحین اور ثقہ راویوں کی گستاخیوں اور توہین میں جُتے ہوئے اور مست ہیں۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انھیں ان حرکات سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
(۱۸/ شعبان ۱۴۳۳ھ بمطابق ۹/ جولائی ۲۰۱۲ء)

محمد زبیر صادق آبادی

سیدنا عبادہ رضی اللہ عنہ اور مسئلہ فاتحہ خلف الامام

سیدنا عبادہ بن صامت الانصاری البدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب.**)) اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۴ ح ۷۵۶، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۹ ح ۳۹۴)

آلِ دیوبند کے ''امام'' سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے:

''اور امت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے۔ کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روائتیں صحیح ہیں۔''

(احسن الکلام ج ۱ ص ۱۸۷ حاشیہ، دوسرا نسخہ ص ۲۳۴ واللفظ لہ)

مذکورہ حدیث کے متعلق سرفراز صفدر دیوبندی نے خاص طور پر لکھا ہے:

''بلاشبہ سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے لیکن...'' (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۸)

آلِ دیوبند کے ''شیخ الاسلام مفتی'' محمد تقی عثمانی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے:

''ان تینوں طرق میں سے پہلا طریق بالاتفاق صحیح ہے لیکن...'' (درس ترمذی ج ۲ ص ۷۵)

آل دیوبند کے ''امام'' سرفراز صفدر دیوبندی نے محمد عمر اچھروی بریلوی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے: ''مگر مولوی محمد عمر صاحب کو بگوش ہوش سننا چاہئے اور اچھی طرح یہ معلوم ہونا چاہیے کہ بخاری شریف کی روایت کو ضعیف کہہ دینا خالہ جی کا گھر نہیں ہے۔'' (ازالۃ الریب ص ۴۱۱)

مذکورہ حدیث عام ہے، اس میں نہ تو کسی نمازی یعنی امام، منفرد اور مقتدی کا لفظ ہے اور نہ کسی نماز کا، لہٰذا اس لئے اہل حدیث نے بھی اسے عام ہی سمجھا ہے۔ مثلاً محدث خطابی رحمہ اللہ (م ۳۸۸ھ) نے فرمایا: میں نے کہا: اس حدیث کا عموم ہر اس نماز کو شامل ہے جو کوئی ایک شخص، اکیلے پڑھتا ہے یا امام کے پیچھے ہوتا ہے، اس کا امام قراءت بالسر کر رہا ہو یا قراءت بالجہر کرے۔ (اعلام الحدیث فی شرح صحیح البخاری ۱/ ۵۰۰)

لیکن الیاس گھمن کے عملی تعاون سے لکھی جانے والی کتاب ''سیف حنفی'' کے مؤلف امجد

سعید دیوبندی نے لکھا ہے: ''**لا صلاۃ والی روایت کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فیصلہ کرائیں:**
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حدیث کے مفہوم کو جتنا سمجھا ہے اتنی وسعت و اہلیت اور قابلیت ہم میں نہیں ۔لہٰذا اس حدیث کا فیصلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہی کیوں نہ کروا لیں ۔تو آیئے ایک صحابیؓ رسولؐ سے اس حدیث کا حکم پوچھتے ہیں ۔'' (سیف حنفی ص ۸۴)

اب فیصلہ کروانے کے لئے کس صحابی رضی اللہ عنہ کا انتخاب کیا جائے؟ کیونکہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سری اور جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کی فرضیت کی قائل ہے۔ (شرح السنۃ جلد ۳ ص ۸۴ ح ۶۰۷)

لیکن عبدالحئ لکھنوی حنفی جنھیں امین اوکاڑوی اور صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی دونوں نے ''استاذ العلماء'' قرار دیا ہے۔ (دیکھئے تجلیات صفدر ۳/ ۳۵۱، نماز مسنون ص ۳۰۴، ۳۲۰، ۳۲۱)

۱) اسی عبدالحئ لکھنوی نے لکھا ہے: ''**ومن المعلوم أن فهم الصحابي لا سيما الراوي أقوى من فهم غيره و قوله أحق بالاعتبار في تفسير المروي**''
اور یہ بات معلوم ہے کہ صحابی کا فہم بالخصوص جو حدیث کا راوی ہو وہ دوسرے کے مفہوم سے زیادہ راجح ہوتا ہے اور اس کا قول اس کی روایت کی تفسیر میں زیادہ قابل اعتبار ہوتا ہے۔

(امام الکلام ص ۲۵۵)

۲) سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ''اور یہ بات باقرار مبارکپوری صاحبؒ اپنے مقام پر آئیگی کہ راوی حدیث (خصوصاً جب کہ صحابی ہو) اپنی مروی حدیث کی مراد دوسروں سے بہتر جانتا ہے'' (احسن الکلام ۱/ ۲۶۸، دوسرا نسخہ ۱/ ۳۳۱)

۳) آل دیوبند کے ''مولانا'' اشرف سیفی نے لکھا ہے: ''بالفرض اس کو حضرت ابوسعید خدریؓ کی بیان کردہ تفسیر قرار دیا جائے تب بھی راوی حدیث کی تفسیر دوسری تفسیروں کے مقابلہ میں راجح ہوتی ہے لہٰذا صلاۃ بتیراء کے بارے میں اگر حضرت ابن عمرؓ کی تفسیر ثابت بھی ہو تب بھی وہ حضرت ابوسعیدؓ کی تفسیر کے مقابلہ میں مرجوح ہوگی اس لئے کہ حضرت

ابن عمرؓ حدیث بتیراء کے راوی نہیں واللہ اعلم'' (درس ترمذی ۲/ ۲۳۰۔ ۲۳۱ حاشیہ)

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی اسی حدیث پر بحث کرتے ہوئے سعید احمد پالنپوری دیوبندی نے لکھا ہے: ''قول صحابی کے سامنے کسی اور کی بات ماننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ کلام نبوت کو اوروں کی بہ نسبت صحابۂ کرام زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔''

(تسہیل ادلہ کاملہ ص ۶۷)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا: میں نے (امام کے پیچھے) ایک نماز پڑھی اور میرے ساتھ (سیدنا) عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے انھوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی۔ میں نے ان سے کہا: اے ابوالولید! کیا میں نے آپ کو سورۂ فاتحہ پڑھتے نہیں سنا؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں! اور اس کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۱ ص ۳۷۵ ح ۳۷۷۰ وسندہ صحیح)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے اس اثر کے متعلق فرمایا: ''صحیح ہے'' (درس ترمذی جلد ۲ ص ۷۶)

مصنف ابن ابی شیبہ کے متعلق امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''اس لئے اس کتاب کے تمام راوی خیر القرون کے راوی ہیں'' (تجلیات صفدر ۴/ ۶۱)

۱: آل دیوبند کے مفتی جمیل احمد نذیری دیوبندی نے لکھا ہے:

''گویا حضرت عبادہ بن صامتؓ لا صلوة الا بقرأة فاتحة الكتاب (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں) کو امام ومقتدی دونوں کے لئے عام سمجھتے تھے۔'' (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز ص ۱۶۲)

۲: آلِ دیوبند کے مولانا فقیر اللہ دیوبندی نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے: ''جب بھی ان سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے خلف الامام کی زیادت کے بغیر لا صلوة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب کے ساتھ استدلال کیا''

(خاتمۃ الکلام ص ۴۳۹)

۳: تقی عثمانی صاحب نے کہا ہے: ''حضرت عبادہؓ کا اپنا اجتہاد ہے، یعنی انہوں نے ''لا صلوة لمن لم يقرأ'' والی حدیث کو امام اور مقتدی دونوں کے لئے عام سمجھا اور اس سے یہ

حکم مستنبط کیا کہ مقتدی پر بھی قرأت فاتحہ واجب ہے'' (درس ترمذی ج ۲ ص ۷۵)

۴: آل دیو بند کے ''مولانا'' جمیل احمد سکروڈھوی مدرس ''دارالعلوم دیو بند'' نے لکھا ہے: ''بعض حضرات صحابہ قرأت فاتحہ خلف الامام کے وجوب کے قائل ہیں جیسے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔'' (اشرف الہدایہ ۲/۸۵)

۵: آل دیو بند کے ''مفتی'' محمد یوسف لدھیانوی دیو بندی نے لکھا ہے:

''اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ نے "لا صلوة الا بفاتحة الكتاب" سے استدلال کرتے ہوئے اپنے فاتحہ پڑھنے کی وجہ بیان کی۔'' (اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص ۸۳، دوسرا نسخہ ۳۲۵)

۶: آل دیو بند کے ''امام'' سرفراز صفدر دیو بندی نے لکھا ہے: ''بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا...'' (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۴۲، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۵۶)

تنبیہ: بعض دیو بندی اس حدیث یعنی ((لا صلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب)) کے متعلق کہتے ہیں کہ ابوداود وغیرہ میں اسی حدیث میں ''فصاعدًا'' کی زیادت مروی ہے اور حدیث کا معنی یہ کرتے ہیں کہ جو شخص سورۂ فاتحہ اور زائد قرأت نہ کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ تو عرض ہے کہ "فصاعدًا'' کا معنی ''اور زائد'' بالکل غلط ہے کیونکہ لفظ ''اور'' کے لئے عربی زبان میں لفظ ''و'' استعمال ہوتا ہے جو کہ اس حدیث میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ "فصاعدًا'' کا معنی ہے پس زیادہ یعنی زائد قرأت کی صرف اجازت ہے، وہ ضروری نہیں۔

انور شاہ کشمیری دیو بندی نے فرمایا ہے: ''ثم زعم الاحناف مراد الحديث وجوب الفاتحة و وجوب ضم السورة و لكنه يخالف اللغة فان أرباب اللغة متفقون على ان ما بعد الفاء يكون غير ضروری و صرح به سيبويه في الكتاب في باب الاضافة''

پھر احناف نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس حدیث سے مراد فاتحہ اور سورت ملانے کا وجوب ہے لیکن یہ (بات) لغت کے خلاف ہے کیونکہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ ''ف'' کے بعد جو

ہو وہ غیر ضروری ہوتا ہے۔ سیبویہ (نحوی) نے (اپنی) الکتاب کے باب الاضافہ میں اس کی صراحت کی ہے۔ (العرف الشذی ص ٦٧ باب ماجاء فی القرأة خلف الامام۔ نصر الباری: ٤٨)

قارئین کرام! جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں آل دیوبند کے ''محدث'' نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ ''ف'' کے بعد جو حکم ہو وہ غیر ضروری ہوتا ہے اور اتفاق سے مراد آل دیوبند کے نزدیک اجماع ہوتا ہے۔ (دیکھئے تجلیات صفدر ٢/ ٢٢٥، حدیث اور اہلحدیث ص ٤٨٣، ٤٨٧)

جو آل دیوبند اپنے ''محدث'' کے نقل کردہ اجماع کی مخالفت کرتے ہیں، ان کے لئے عرض ہے کہ امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے: ''اجماع امت کا مخالف بنصِ کتاب و سنت دوزخی ہے۔'' (تجلیات صفدر ١/ ٢٨٧، نیز دیکھئے تجلیات صفدر ٢/ ١١٢، ٣/ ٣٥١، ٣/ ٤٧١، ٢/ ٢٢٥)

امین اوکاڑوی دیوبندی نے مزید لکھا ہے: ''آنحضرت ﷺ نے اجماعی فیصلوں سے انحراف کرنے والے کو شیطان اور دوزخی قرار دیا ہے (مشکوٰۃ)'' (تجلیات صفدر ٦/ ١٨٩)

سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت کے وجوب پر آلِ دیوبند کی دوسری دلیل

آلِ دیوبند کے ''مولانا'' فقیر اللہ دیوبندی نے سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت کے واجب ہونے پر ایک دلیل اس طرح نقل کی ہے: " عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم امرہ ان یخرج فی الناس ان لا صلوۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد (المستدرک ج١ ص ٢٣٩)" (خاتمۃ الکلام ص ٥٥٦)

تنبیہ: مذکورہ روایت پر جرح موجود ہے لیکن چونکہ آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں روایت پر بحث کی گئی ہے، لہٰذا ہم نے اس روایت پر یہاں جرح نظر انداز کر دی ہے۔

آلِ دیوبند کی پیش کردہ مذکورہ روایت میں لفظ "فما زاد" لفظ "فصاعدًا" کے مترادف ہے جس کا جواب انور شاہ کشمیری کے حوالے سے دلیل نمبر ١ کے تحت نقل کر دیا گیا ہے۔

نیز دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی صحابی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ یہ ہے کہ نماز میں قراءت صرف سورۂ فاتحہ ہی کی ضروری ہے،

سورۂ فاتحہ سے زائد صرف بہتر ہے۔

اور آلِ دیو بند کے اصول پہلے نقل کئے جا چکے ہیں کہ حدیث کا وہی مفہوم لیا جائے گا جو اس حدیث کے راوی صحابی نے سمجھا ہوگا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے:

" **من قرأ بأم القرآن فقد اجزأت عنه ومن زاد فهو أفضل** " جس نے سورۂ فاتحہ پڑھ لی وہ اس کے لئے کافی ہے اور جس نے زائد پڑھا وہ اس کے لئے افضل ہے۔

(صحیح مسلم ۲/۲۴ مترجم ح ۸۸۴، نیز دیکھئے تفہیم البخاری علی صحیح بخاری ۱/ ۳۸۷)

صحیح مسلم میں ہے: ”عطاء (رحمہ اللہ) نے (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ ہر رکعت میں قراءت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نماز میں ہم کو قراءت سنائی ویسی ہی ہم نے تم کو سنادی اور جو نماز آپ نے غیر جہری پڑھی ویسی ہی ہم نے بھی پڑھ کے تم کو بتادی جس پر ایک آدمی نے کہا کہ اگر میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور نہ پڑھوں تو کیا حرج ہے؟ (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: سورۂ فاتحہ سے زائد پڑھو تو یہ تمھارے لئے بہتر ہے اور اگر صرف سورۂ فاتحہ پڑھو تو وہ بھی کافی ہے۔“ (صحیح مسلم مترجم ج ۲ ص ۲۳ ح ۸۸۳)

قارئین کرام! جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے کہ حدیث کا جو معنی اہل حدیث کرتے ہیں وہی معنی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، لیکن آل دیو بند سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فتوؤں کو ان کی ہی روایت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ چنانچہ سرفراز صفدر دیو بندی سے جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مذکورہ فتوؤں کی سند پر کلام کرنے کی ہمت نہ ہو سکی تو اس کا جواب یوں دینے کی کوشش کی: ”الغرض ما زاد علی فاتحہ کی نفی پر صریح، صحیح اور مرفوع روایت موجود نہیں ہے بخلاف اس کے ما زاد، ما تیسر اور فصاعدًا کی روایتیں بالاتفاق صحیح صریح اور مرفوع ہیں پھر ان کا انکار محض تعصب ہے۔ ۴۔ مبارکپوری صاحبؒ نے کفایت سورہ فاتحہ پر حضرت ابو ہریرہؓ کی جو روایت پیش کی ہے۔ وہ ان کیلئے ہرگز مفید مطلب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ حضرت ابو ہریرہ پر موقوف ہے اور کسی مرفوع اور صحیح روایت میں اس قسم کے الفاظ منقول نہیں ہیں“ (احسن الکلام ج ۲ ص ۳۴۔۳۵ طبع جدید، پرانا نسخہ ص ۳۲)

سرفراز صفدر نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسی فرمان کے متعلق مزید لکھا ہے:

''اور یہاں تو یہ قول فصاعدًا، ما تیسر اور مازاد کے مخالف ہے پھر یہ کیسے حجت ہوگا؟''

(احسن الکلام ج ۲ ص ۳۵ طبع جدید، پرانا نسخہ ص ۳۲۔۳۳)

قارئین کرام! آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آل دیوبند کے ''امام'' سرفراز صفدر نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتوے کو ان کی بیان کردہ حدیث کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی آل دیوبند کا مشہور اصول ہے کہ اگر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف فتویٰ دیں تو ان کی عدالت ساقط ہو جائیگی۔ چنانچہ ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے طحاوی حنفی سے نقل کیا ہے: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن رکھتے ہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیں اس سے تو آپؓ کی عدالت ہی ساقط ہو جائے گی اور صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب عادل ہیں۔ (طحاوی جلد ا ص ۲۳)'' (تجلیات صفدر ۵/۵۲)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق خود سرفراز صفدر دیوبندی نے کہا ہے:

''اگر ان کے پاس سات مرتبہ کی نسخ یا عدم وجوب کا علم نہ ہوتا تو اپنی روایت کے خلاف کرنا ان کی عدالت اور عدالت پر اثر انداز ہوتا ہے اور...'' (خزائن السنن ۱/ ۱۹۱۔۱۹۲)

قارئین کرام! آپ خود فیصلہ کریں کہ آل دیوبند کو حسن ظن سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے یا پھر اپنے تقلیدی مسلک سے؟

سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت کے وجوب پر آلِ دیوبند کی تیسری دلیل

سرفراز صفدر دیوبندی نے مازاد علی الفاتحہ کی قراءت کو واجب ثابت کرنے کے لئے ایک روایت یوں نقل کی ہے: ''حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ جا کر لوگوں میں یہ اعلان کرو کہ ان لا صلوٰۃ الا بقراۃ فاتحۃ الکتاب و ما

تیسر'' (مواردالظمان ص ۱۲۶)'' (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۳ طبع جدید)

تنبیہ: اس مذکورہ روایت (وما تیسر) پر بھی جرح موجود ہے اور چونکہ روایت آل دیوبند کے نزدیک صحیح ہے، اس لئے ان کے اصولوں کے مطابق جواب دیا ہے۔

قارئین کرام! اس روایت میں ''ما تیسر'' سے مراد بھی سورۂ فاتحہ ہے، لہٰذا حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور وہ یعنی سورۂ فاتحہ آسان ہے۔

اگر حدیث کا یہ معنی نہ لیں تو آلِ دیوبند کے اصولوں کے مطابق سیدنا ابو ہریرہؓ کی عدالت ساقط ہوتی ہے کیونکہ اس حدیث کے راوی بھی سیدنا ابو ہریرہؓ ہیں اور ان کے نزدیک سورۂ فاتحہ سے زائد قراءت ضروری نہیں جیسا کہ آل دیوبند کی دوسری دلیل کے تحت تفصیل سے نقل کر دیا گیا ہے اور مذکورہ حدیث میں سورۂ فاتحہ اور ما تیسر کے درمیان جو واؤ ہے وہ تفسیری ہے اور خود سرفراز صفدر کے نزدیک بھی کبھی ''وٗ'' تفسیری بھی ہوتی ہے۔

سرفراز صفدر نے بریلویوں کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس جگہ ہم نُور کا دعویٰ کرنے والوں کی اصولی بعض دلیلیں عرض کرتے ہیں، ان کو ملاحظہ کریں اور ساتھ ہی ان کے جوابات بھی دیکھ لیں تا کہ حقیقت آشکار ہو جائے۔

پہلی دلیل:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور ہونے پر پہلی دلیل یہ پیش کی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ۔ الآية۔ (پ ۶۔ مائدہ۔ ۳)

بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہو اس کی رضا کا سلامتی کی راہوں کی۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے، اور چونکہ واو عطف سے کتاب کا ذکر گیا ہے اور معطوف و معطوف علیہ مغایر ہوتے ہیں، لہٰذا نُور الگ شئے ہے اور کتاب جدا۔

الجواب:۔ اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے اور عطف محض تفسیری ہے جس میں

معطوف ومعطوف علیہ کا ذاتاً تغایر نہیں بلکہ محض صفت کے لحاظ سے تغایر ہے مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم روشنی بھی ہے، اور وہ بات کو کھول کر بھی بیان کرتا ہے'' (تنقید متین ص ۸۵۔۸۶)
مذکورہ آیت میں نور اور کتاب مبین کے درمیان لفظ ''وَ'' موجود ہے اور سرفراز صفدر دیوبندی کے نزدیک بھی دونوں سے مراد صرف قرآن مجید ہے۔ لہٰذا آل دیوبند کے اصولوں کے مطابق حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی اور وہ ہے بھی آسان۔

''وَ'' کبھی تفسیری بھی ہوتی ہے اس کا ثبوت صحیح حدیث سے

سرفراز صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
و لقد اتینٰك سبعا من المثانی و القرآن العظیم (پ۱۴، الحجرات ٦)
اور البتہ دی ہیں ہم نے آپ کو سات آیتیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور دیا قرآن بڑے درجے کا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ام القرآن ھی السبع المثانی والقرآن العظیم کہ ان سات آیتوں اور قرآن عظیم کا مصداق سورہ فاتحہ ہے۔ (بخاری جلد۲ ص ۶۸۳ اور اسی کے قریب الفاظ دارمی ص ۴۴۶ طبع دمشق میں ہیں)'' (احسن الکلام جلد اص ۱۱۹۔۱۲۰ پرانا نسخہ ص ۹۱)

تنبیہ: سرفراز صاحب نے آیت اور سورت کا جو حوالہ دیا ہے وہ غلط ہے صحیح الحجر: ۸۷ ہے۔
راقم الحروف نے ما تیسر کا جو مطلب بیان کیا اس کے مطابق آل دیوبند کے اصولوں کی روشنی میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عدالت بھی ساقط نہیں ہوگی اور حدیث لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اور آیت فاقرء وا ما تیسر من القرآن میں کوئی تعارض بھی نہیں رہے گا۔
اشرف علی تھانوی دیوبندی نے کہا ہے: ''اور امام شافعی یہ جواب دیتے ہیں کہ مَا تَیَسَّرَ سے مراد سورۃ فاتحہ ہے اور وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ بہت سہل ہے اور سب کو یاد ہی ہوتی ہے۔'' (تقریر ترمذی ص ۶۳ باب ماجاء فی تحریم الصلوٰۃ وتحلیلھا)
اگر آل دیوبند اپنے اصولوں کی پابندی کریں تو فاتحہ خلف الامام کی ممانعت قرآن وحدیث سے

ثابت نہیں ہوتی۔ آل دیوبند کے ''حکیم الامت'' اشرف علی تھانوی نے کہا ہے: ''میرے نزدیک اذا قری القرآن فاستمعوا جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو۔ تبلیغ پر محمول ہے اس جگہ قرات فی الصلوۃ مراد نہیں۔ سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اب ایک مجمع میں بہت آدمی مل کر قرآن پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔'' (الکلام الحسن جلد ۲ ص ۲۱۲، ملفوظات جلد ۲۶ ص ۳۳۵)

اشرف علی تھانوی کے ''خلیفہ'' عبدالماجد دریا آبادی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: ''حکم کے مخاطب ظاہر ہے کفار و منکرین ہیں، اور مقصود اصلی یہ ہے کہ جب قرآن بہ غرض تبلیغ پڑھ کر تم کو سنایا جائے تو اسے توجہ و خاموشی کے ساتھ سنا کرو، تا کہ اس کا معجز ہونا اور اس کی تعلیمات کی خوبیاں تمھاری سمجھ میں آجائیں اور تم ایمان لا کر مستحق رحمت ہو جاؤ۔''

(تفسیر ماجدی ص ۳۷۳، دوسرا نسخہ جلد ۲ ص ۲۶۳)

اشرف علی تھانوی نے کہا ہے: ''اب رہا یہ امر کہ مقتدیوں کو جو قراۃ خلف الامام سے منع کیا جاتا ہے تو اس باب میں کوئی حدیث نہیں ہے جس میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے منع ثابت ہو۔'' (تقریر ترمذی ص ۶۸)

آل دیوبند کے ''استاذ العلماء'' عبدالحئ لکھنوی حنفی نے لکھا ہے: ''لم یرد فی حدیث مرفوع صحیح: النهي عن قراءة الفاتحة خلف الامام و كل ما ذكروه مرفوعًا فيه امّا لا اصل له و اما لا يصح '' کسی مرفوع حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت وارد نہیں اور (مخالفین فاتحہ خلف الامام) جو بھی مرفوع احادیث بیان کرتے ہیں وہ یا تو بے اصل ہے، یا صحیح نہیں۔ (التعلیق الممجد ص ۱۰۱ حاشیہ نمبر ۱، دوسرا نسخہ ۱/ ۲۷۴)

ہوسکتا ہے کہ قارئین میں سے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب آل دیوبند کے پاس قرآن وحدیث سے فاتحہ خلف الامام کی ممانعت پر کوئی دلیل نہیں جیسا کہ ان کے بڑوں نے تسلیم کر لیا ہے تو پھر یہ لوگ اس سے منع کیوں کرتے ہیں؟ اس کی وجہ ان کا تقلیدی مسلک ہے، چنانچہ آل دیوبند کے ''مفتی اعظم'' اور ''مولانا'' عزیز الرحمٰن دیوبندی نے لکھا ہے: ''اگر شافعی ہو کر قراءۃ خلف الامام کرتا مجتہدین بن کر خطاء میں نہ پڑتا تو پھر کچھ احتراز و

اعتراض نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم''

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱/۱۸۳، دوسرا نسخہ ۱/۲۰۱، دارالاشاعت کراچی)

اشرف علی تھانوی نے اس شخص کے بارے میں جو وہاں جمعہ پڑھتا ہے جہاں حنفیہ کی اکثر شرائط مفقود ہوتی ہیں، کہا: ''ایسے موقعہ پر فاتحہ خلف الامام پڑھ لینا چاہیئے تاکہ امام شافعیؒ کے مذہب کے بناء پر نماز ہو جائے۔'' (تجلیات رحمانی ص ۲۳۳)

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: " **و قد أجمع العلماء علٰی أن من قرأ خلف الامام فصلاته تامة و لا اعادة علیه** " اور یقیناً علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءۃ کرتا ہے اس کی نماز مکمل ہے اس پر کوئی اعادہ نہیں ہے۔

(الاستذکار ۲/۱۹۳، دوسرا نسخہ ۴/۲۴۵ فقرہ نمبر ۴۹۴۷، الکواکب الدریہ ص ۳۱)

نیز دیکھئے امام ابن حبان رحمہ اللہ کی کتاب: کتاب المجروحین (۲/۵، دوسرا نسخہ ۲/۴۹۷)

تنبیہ: جہری نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۂ فاتحہ سے زائد قرآن پڑھنا منع ہے کیونکہ نافع بن محمود (تابعی) سیدنا عبادہ بن صامت (صحابی) رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مقتدیوں سے) فرمایا: ((**لا تفعلوا إلا بأم القرآن فانه لا صلٰوة لمن لم یقرأ بها .**)) سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ بھی نہ پڑھو کیونکہ جو (سورۂ فاتحہ) نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۶۴ ح ۱۲۱، امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے)

اعلانات

۱: ماہنامہ الحدیث حضرو کا اگلا شمارہ (نمبر ۱۰۰، نومبر و دسمبر ۲۰۱۲ء کا اکٹھا شمارہ) دسمبر ۲۰۱۲ء میں شائع ہوگا۔ ان شاء اللہ

۲: محمد زبیر صادق آبادی حفظہ اللہ کے مضمون: ''آلِ دیوبند اور انگریز'' کے لئے دیکھئے ماہنامہ ضربِ حق سرگودھا (ش ۳۰، اکتوبر ۲۰۱۲ء)

۳: حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کے مضمون: ''ظہور احمد دیوبندی اور روایات صحیحہ کی تکذیب'' کے لئے دیکھئے ضربِ حق سرگودھا: ۳۰

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا

اسلم (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے غلام) سے روایت ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ مجھے اپنے کسی بیٹے کے پاس بھیجتے تو کہتے: اسے نہ بتانا کہ میں نے تجھے کس لئے بھیجا ہے، ہوسکتا ہے کہ شیطان اسے تدلیس سکھا دے۔ پھر عبدالرحمٰن (بن عمر بن الخطاب) کے بچوں کی ماں آئی تو کہا: ابوعیسیٰ نہ مجھ پر خرچ کرتے ہیں اور نہ پہننے کے کپڑے دیتے ہیں۔ انھوں (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: تیری خرابی ہو، ابوعیسیٰ کون ہے؟ اس نے کہا: آپ کا بیٹا عبدالرحمٰن۔ انھوں نے فرمایا: کیا عیسیٰ کا باپ تھا؟ پھر انھوں نے مجھے بھیجا اور کہا: اسے کہو کہ میرے پاس آئے اور یہ نہ بتانا کہ میں اسے کیوں بلا رہا ہوں۔ اسلم نے کہا: میں ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ ان کے پاس ہندوستانی مرغ اور مرغی ہیں۔ میں نے انھیں کہا: آپ کے والد امیر المومنین آپ کو بلا رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: وہ مجھے کیوں بلا رہے ہیں؟
میں نے کہا: میں (پوری تفصیل) نہیں جانتا۔ انھوں نے کہا: میں تجھے یہ مرغ اور مرغی دے دیتا ہوں، بشرطیکہ تم مجھے بتا دو کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے اس شرط پر انھیں بتا دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں بتائیں گے اور انھوں نے مجھے مرغ اور مرغی دے دی۔ پھر جب میں عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا تو نے اسے بتا دیا ہے؟ پس اللہ کی قسم! میں انکار نہ کر سکا اور کہا: جی ہاں! انھوں نے پوچھا: کیا اس نے تجھے اس کے بدلے میں کچھ دیا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! انھوں نے پوچھا: تجھے کیا دیا ہے؟ میں نے کہا: ایک مرغ اور مرغی۔
انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے بائیں ہاتھ سے میرے ہاتھ پکڑ لئے اور مجھے دُرے سے مارنے لگے۔ میں چیختا چلاتا رہا اور وہ مجھے مارتے رہے، پھر انھوں نے فرمایا: تم اسی کے مستحق ہو۔
پھر عبدالرحمٰن آئے تو انھوں (عمر رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کیا عیسیٰ کا کوئی باپ تھا؟ یہ اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھتا ہے! کیا عیسیٰ کا کوئی باپ تھا؟ (تاریخ المدینۃ المنورہ ۲/۷۵۳ وسندہ صحیح)

Monthly AlHadith Hazro

ہمارا عزم

- قرآن وحدیث اوراجماع کی برتری
- سلف صالحین کے متفقہ فہم کا پرچار
- صحابہ، تابعین، تبع تابعین، محدثین اورتمام ائمہ کرام سے محبت
- صحیح وحسن روایات سے استدلال اورضعیف ومردود روایات سے کلی اجتناب
- اتباعِ کتاب وسنت کی طرف والہانہ دعوت
- علمی، تحقیقی ومعلوماتی مضامین اورانتہائی شائستہ زبان
- مخالفین کتاب وسنت اوراہل باطل پر علم ومتانت کے ساتھ بہترین وبادلائل رد
- اصولِ حدیث اوراسماء الرجال کو مدنظر رکھتے ہوئے اشاعت الحدیث
- دینِ اسلام اورمسلک اہل الحدیث کا دفاع
- قرآن وحدیث کے ذریعے اتحادِ امت کی طرف دعوت

قارئین کرام سے درخواست ہے کہ ''الحدیث'' حضرو کا بغور مطالعہ کرکے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفید فرمائیں، ہرمخلصانہ اورمفید مشورے کا قدروتشکر کی نظر سے خیرمقدم کیا جائے گا۔